ماہنامہ

اِنذار

نومبر 2015ء

مدیر

ابویحییٰ

”شیطان کو شکست دینے کا طریقہ

غلطی کے اعتراف کی عادت ہے

شیطان سے شکست کھانے کا طریقہ

غلطی کی تاویل کرنے کی عادت ہے۔“

www.inzaar.org

لبیك اللهم لبیك

(پیش نظر مضمون ابو یحییٰ کے نئے ناول ’’آخری جنگ‘‘ میں بطور مقدمہ شامل ہے۔ آخری جنگ کے حوالے سے شائع کیے جانے والے اس خصوصی شمارے کا آغاز اسی مضمون سے کیا جا رہا ہے۔ ادارہ)

تاریخ کے طالب علم یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ انسانی تاریخ کا ایک بڑا حصہ اُن جنگوں سے عبارت رہا ہے جن میں انسانوں کی جان، مال اور آبرو سب بے وقعت ہو جاتی ہیں۔ مگر یہ بات کم لوگ جانتے ہیں کہ اس دھرتی پر لڑی جانے والی اصل جنگ جس کے نتیجے میں باقی تمام جنگیں، خونریزی اور فساد برپا ہوتا ہے، انسانوں کے مابین نہیں بلکہ انسان اور شیطان کے درمیان لڑی جانے والی جنگ ہے۔

قرآن مجید سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس جنگ کا آغاز روزِ ازل اُس وقت ہوا جب ابلیس نے ہمارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ ابلیس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے باوجود نہ صرف یہ کہ انکار کیا بلکہ اللہ تعالیٰ سے تا قیامت اس بات کی مہلت مانگی کہ اسے انسانوں کو گمراہ کرنے کا موقع دیا جائے۔ یہ بات مان لی گئی مگر اس جرم کے نتیجے میں اللہ کی طرف سے شیطان پر ہمیشہ کے لیے لعنت کر دی گئی۔ یہ گویا کہ آج کی اصطلاح میں انسانیت پر کیا جانے والا تاریخ کا سب سے بڑا خودکش حملہ تھا جس میں شیطان نے اپنی مکمل تباہی کی قیمت پر انسانوں کو برباد کرنے کا فیصلہ کیا۔ بدقسمتی سے شیطان کا یہ حملہ اتنا کامیاب رہا ہے کہ ایک صحیح حدیث (بخاری، رقم 3348، مسلم، رقم 1028) کے الفاظ مستعار لیے جائیں تو ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے لوگ اس کی زد میں آکر جہنم کے مستحق ہو چکے ہیں۔ اس حملے کی کامیابی کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ انسانوں کی اکثریت اپنے اِس بدترین دشمن اور اپنے خلاف اِس کی جنگ سے سرے سے واقف ہی نہیں۔ وہ بے خبری میں انسانوں پر وار کرتا اور ان کی کمزوریوں کا فائدہ اٹھا کر ان کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور ناشکری میں مبتلا کر دیتا ہے۔ تاہم اللہ تعالیٰ کی یہ بڑی عنایت ہے کہ اس نے

انسانوں کی اس بے خبری کو دور کرنے کے لیے ہر دور اور ہر قوم میں ہزار ہا انبیائے کرام کو بھیجا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا ادارہ ختم کر دیا گیا اور اب تا قیامت انسانوں کو یہ بتانا کہ شیطان ان کا سب سے بڑا دشمن ہے، امت مسلمہ کی ذمہ داری ہے۔

شیطان اور انسان کی اس جنگ میں امت مسلمہ ایک انتہائی اہمیت کا حامل گروہ ہے۔ وہ اگر اپنی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہیں تو انسانیت کی بڑی تعداد کو شیطان کے چنگل سے چھڑا سکتے ہیں۔ وہ ایسا نہیں کریں گے تو گویا خود شیطان کے مشن میں اس کے مددگار بن جائیں گے۔ چنانچہ امت مسلمہ شیطان کا سب سے بڑا نشانہ ہے۔ شیطان کے لیے اس امت کو نشانہ بنانے کا آسان ترین طریقہ یہ ہے کہ لوگ اپنی خواہشات کو دین اور اپنے تعصبات کو حق سمجھنے لگیں۔ جبکہ شیطان کے شر سے بچنے کا طریقہ صرف یہ ہے کہ لوگ قرآن مجید کو اپنی خواہشات اور تعصبات پر ترجیح دینے لگیں۔ چنانچہ انسان اور شیطان کی یہی جنگ، اس جنگ میں امت مسلمہ کی اہمیت اور شیطان کا طریقہ کار ہی میرے اس نئے ناول ''آخری جنگ'' کا مرکزی خیال ہے۔

میرا پہلا ناول ''جب زندگی شروع ہوگی'' حادثاتی طور پر وجود میں آیا، مگر اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی بات اتنے زیادہ لوگوں تک پہنچی جس کی مجھے کوئی امید نہ تھی۔ یہی معاملہ میرے دوسرے ناول ''قسم اُس وقت کی'' کا رہا۔ ''آخری جنگ'' میرے انھی دو ناولوں کا تسلسل ہے جس کی کہانی اُن کے مرکزی کرداروں یعنی عبد اللہ اور ناعمہ کے ارد گرد گھومتی ہے۔ تاہم یہ واضح رہے کہ اِس ناول کے تمام کردار چاہے شیاطین ہوں یا انسان اور ان کے حوالے سے بیان کئے گئے متعین واقعات، سب فرضی ہیں۔ اس وضاحت کی ضرورت اس لیے اہم ہے کہ قارئین میرے ناول کے کرداروں سے بہت زیادہ وابستہ ہو جاتے ہیں۔ خاص کر عبد اللہ اور ناعمہ سے۔ یہ دونوں دراصل علامتی کردار ہیں۔ یہ بتاتے ہیں کہ ایک داعی اور ایک مسلمان کو کیسا ہونا چاہیے۔ قارئین کو اِن کرداروں کو اِسی پہلو

سے دیکھنا چاہیے۔

اس ناول میں شیاطین کی سوچ اور کارفرمائی زیر بحث آئی ہے۔اس لیے ممکن ہے کہ چند مقامات پر استعمال ہونے والے بعض اسالیب کچھ صالح طبیعت لوگوں پر گراں گزریں۔اسی طرح میرا اصل مقصد ناول نگاری نہیں تھا۔اس لیے اختصار کے پیش نظر چند مقامات پر کہانی اور کردار نگاری کے بعض پہلوؤں سے صرف نظر کیا گیا ہے جو کچھ اہل ذوق کے لیے بار خاطر ہو گا۔امید ہے کہ میرا عذر قبول کر کے دونوں طرح کے قارئین ان چیزوں پر درگزر فرمائیں گے۔

بحیثیت دین کے ایک ادنیٰ طالب علم کے میں نے اس مختصر ناول میں قرآن مجید کا ایک اہم اور بنیادی پیغام پہنچانے کی کوشش کی ہے۔جو بات اس امت کے جلیل القدر اہل علم امت کے خواص کو سمجھانے کی کوشش کرتے رہے ہیں، یہ ادنیٰ طالب علم اپنے سادہ اسلوب میں اب اسے عوام الناس تک پہنچانا ضروری سمجھتا ہے۔اس لیے کہ اس پیغام کو سمجھ کر عمل کرنے ہی میں دنیا اور آخرت کی ہماری نجات پوشیدہ ہے۔اس پیغام کو بھولنے کا نتیجہ ماضی میں بھی تباہ کن رہا ہے اور شدید اندیشہ ہے کہ مستقبل میں بہت بڑی تباہی کا باعث بنے گا۔میرے نزدیک اِس حقیقت کو سمجھ لینے ہی میں ہمارے عروج وزوال کا راز پوشیدہ ہے۔تاہم ایک ناول تفصیلی علمی استدلال کا متحمل نہیں ہو سکتا، اس لیے اپنے ماہنامے ”انذار“ کے نومبر 2015 کے شمارے میں اپنے نقطہ نظر کا علمی استدلال اور پس منظر بیان کر دیا گیا ہے۔جن لوگوں کو دلچسپی ہو وہ یہ شمارہ پڑھ لیں یا ویب سائٹ www.inzaar.org پر دیکھ لیں۔

مجھے اس قوم سے بڑا حسن ظن ہے کہ یہ اللہ رسول سے محبت کرنے والی قوم ہے۔انہیں اگر درست بات بتائی جائے تو یقیناً یہ توجہ سے سنیں گے۔چنانچہ اسی احساس کے تحت آج یوم العرفہ کے دن جب خدا کے بندے اور بندیاں عرفات کے میدان میں خدا کی بندگی کا اقرار اور شیطان کے خلاف جنگ کا اعلان کر رہے ہیں، میں اس ناول کو مکمل

کر کے اپنی قوم کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ اس عاجز نے اپنی بساط بھر کوشش کر کے قوم کے دل پر دستک دی ہے۔ مجھے نہیں خبر کہ یہ دستک کتنے دلوں کے دروازے کھولے گی۔۔۔ مجھے نہیں خبر کہ اس قرآنی دعوت کے جواب میں کتنے لوگ لبیک کہیں گے۔ لیکن جو لوگ شیطان کے خلاف اس آخری جنگ میں اترنے کا عزم کریں گے۔ جو لوگ قرآن مجید کی پکار کے جواب میں لبیک اللھم لبیک کہتے ہوئے خدا کی طرف سے اٹھیں گے، انہیں دو باتیں یاد رہنی چاہییں۔ ایک یہ کہ اب وہ اپنے بدترین دشمن شیطان کے حملوں کی زد میں آجائیں گے۔ شیطان اپنے دشمنوں کو کبھی نہیں چھوڑتا۔ مگر اس سے زیادہ اہم دوسری بات ہے۔ وہ یہ کہ اللہ اپنے دوستوں کو کبھی نہیں چھوڑتا۔ جب عالم کا پروردگار ان کے ساتھ ہے تو ساری دنیا مل کر بھی ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ پروردگار عالم ان کا محافظ بن کر اس دنیا میں بھی ان کی حفاظت کرے گا اور قیامت کے دن بھی انہیں اپنی بہترین رحمتوں سے نوازے گا۔ اس جنگ میں شکست شیطان کا مقدر ہے۔ اس جنگ میں فتح عباد الرحمن کا مقدر ہے۔ شرط یہ ہے کہ لوگ اپنی خواہشات کو دین نہ بنائیں بلکہ اللہ کی مرضی کے مطابق جو قرآن مجید کی شکل میں ہمارے پاس موجود ہے، خود کو ڈھالیں۔ یہی اس ناول کا اصل پیغام ہے۔

ابو یحییٰ

یوم العرفہ

1436 ہجری

شیطان اور انسان

قرآن انسانیت کے لیے ہدایت کی کتاب ہے۔ اس کتاب میں جگہ جگہ اہم واقعات اور قصے بیان کر کے لوگوں کو مختلف چیزوں پر توجہ دلائی گئی ہے۔ قرآن مجید کے آغاز میں جو پہلا قصہ سورہ بقرہ میں انسانوں کو سنایا گیا ہے وہ حضرت آدم اور ابلیس کا قصہ ہے۔ اسی سے اس بات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے سامنے کس بات کو سب سے اہم سمجھ کر ان کے سامنے رکھا ہے۔ یہ قصہ قرآن مجید کی مزید چھ سورتوں اعراف، حجر، بنی اسرائیل، کہف، طہٰ اور سورہ ص میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

قرآن مجید سے اس واقعے کی جو تفصیلات سامنے آتی ہیں ان کے مطابق اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین پر خلیفہ بنانے کا فیصلہ کیا۔ فرشتوں نے اس پر بعض سوالات اٹھائے، مگر ان کا جواب ملنے کے بعد اللہ کے حکم کے سامنے سر بسجود ہوگئے۔ تاہم ابلیس نامی جن نے اللہ کا فیصلہ نہ مان کر آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔

اس نے اپنے انکار کی یہ وجہ بیان کی کہ اللہ تعالیٰ نے خود اسے آگ سے اور حضرت آدم کو مٹی سے پیدا کیا ہے۔ چنانچہ وہ ایک برتر ہستی ہے اور اس وجہ سے اس کا سجدہ کرنا درست عمل نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ کے صریح حکم کے سامنے کسی بھونڈی منطق کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ حقیقت یہ تھی کہ اس نے اپنے تکبر کو خوبصورت الفاظ کا جامہ پہنانے کی کوشش کی تھی۔ مگر وہ یہ بھول گیا کہ جس ہستی نے اسے آگ سے پیدا کیا ہے اسی نے سجدے کا یہ حکم بھی دیا ہے۔ وہ ہستی کبھی کوئی غلط حکم نہیں دے سکتی۔ تاہم شیطان نے اپنی غلطی ماننے سے انکار کر دیا۔ اس کے بجائے اس نے اللہ سے اس بات کی مہلت مانگ لی کہ وہ انسان کو گمراہ کر سکے۔

قرآن مجید جگہ جگہ اس بات کو واضح کرتا ہے کہ شیطان اور اس کی ذریت یعنی اولاد کا مشن اب تا قیامت یہی ہے کہ وہ انسانیت کو گمراہ کریں۔ اس کا سب سے بنیادی کام یہی ہے کہ وہ انسانوں کے بارے میں یہ ثابت کرے کہ انسان ایک ناشکری مخلوق ہے اور جو مقام اسے دیا گیا تھا وہ اس مقام کا اہل نہ تھا۔ چنانچہ شیطان انسانوں کو اللہ کی نافرمانی پر

اکساتا ہے۔ اس نافرمانی میں شرک سے لے کر بدعات اور انبیا و رسل کی مخالفت سے لے کر انسانوں میں فساد ڈلوانے اور فواحش پھیلانے تک کے سارے کام شامل ہیں۔

تاہم قرآن کریم سے یہ بھی واضح ہے کہ شیطان انسان پر کوئی قدرت نہیں رکھتا۔ وہ زبردستی کسی سے برائی نہیں کرواسکتا۔ اس کا طریقہ واردات یہ ہے کہ وہ انسانوں کے دلوں میں وسوسہ انگیزی کرتا ہے اور وہ برائی کو بھلائی کی شکل میں خوبصورت بناکر پیش کرتا ہے۔ جو لوگ شیطان سے متنبہ ہو کر زندگی گزارتے ہیں وہ فوراً اپنا احتساب کرتے ہیں۔ وہ کبھی اپنے آپ کو کوئی غیر ضروی رعایت نہیں دیتے۔ وہ کبھی تکبر اور بڑائی کی نفسیات میں نہیں جیتے۔

ایسے لوگوں کو جب بھی کسی غلطی کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے، وہ جواب دینے، برامانتے، تاویل کرنے، دوسروں پر الزام لگانے یا اپنی غلطی کسی اور پر ڈالنے کے بجائے فوراً اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ وہ اللہ کے آگے گڑگڑاتے ہیں کہ وہ ان کی خطاؤں اور بھول چوک کو معاف کردے۔ یہی لوگ آدم کی بہترین اولاد، زمین کا نمک اور جنت کے باسی ہیں۔

اس کے برعکس جو لوگ اپنی غلطی کو ماننے کے بجائے ضد، ہٹ دھرمی، اور الٹا سمجھانے والوں پر الزام تراشی پر آمادہ ہوجائیں وہ شیطان کے پھندے میں پھنس جاتے ہیں۔ زیادہ وقت نہیں گزرتا کہ ایسے لوگ خود شیطان کے مشن میں شریک ہوجاتے ہیں۔ وہ گمراہی پھیلاتے، فساد مچاتے اور برائی کے سفیر بن جاتے ہیں۔ یہ آدم کے نہیں ابلیس کے بندے اوراس کی اولاد ہیں۔ یہی لوگ زمین کے وہ کانٹے ہیں جو کل قیامت کے دن جہنم کا ایندھن بنائے جائیں گے۔

ہدایت کے حاملین اور شیطان

قرآن مجید سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے اور اس کا مشن انسانوں کو گمراہ کرنا ہے۔ شیاطین چونکہ چھپ کر وسوسہ انگیزی کرتے ہیں، اس لیے عام لوگ اپنی کمزوریوں کی بنا پر باآسانی اس کے حملے کی زد میں آسکتے ہیں۔ چنانچہ انسانوں کے تحفظ کے لیے اللہ تعالیٰ نے شروع دن سے یہ اہتمام کیا ہے کہ وہ ایسے لوگ پیدا کرتا رہے جو اللہ کے راستے اور سچائی کی طرف لوگوں کو بلاتے رہیں۔ یہ لوگ انبیا و رسل اور ان کے نام لیوا ہیں۔

یہی وہ لوگ ہیں جو عام انسانوں کو شیطان کے فتنے میں مبتلا ہونے سے روکتے، اس کی پیروی پر ٹوکتے اور جہنم کی راہوں کا مسافر بننے سے بچاتے ہیں۔ یہ لوگ نہ ہوں تو عام سادہ لوگ باآسانی صرف اپنی فطرت کی بنیاد پر شیطان سے بچنے کی راہ نہیں پاسکتے۔

چنانچہ شیطان سب سے بڑھ کر انہی لوگوں کا دشمن بن جاتا ہے۔ انبیا و رسل کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تحفظ حاصل ہوتا ہے۔ یہ شیطان کی وسوسہ انگیزی کا شکار نہیں ہوتے۔ ان کے خلاف شیاطین عام طور پر ایک دوسرا ہتھیار استعمال کرتے ہیں۔ وہ یہ کہ جس قوم میں یہ بھیجے جاتے ہیں، شیاطین اس کے لیڈروں، مذہبی طبقات اور سرکردہ لوگوں ہی کو ان کے خلاف اٹھادیتے ہیں۔ یہ لوگ جھوٹ اور مخالفت کا ایسا طوفان اٹھاتے ہیں کہ سچائی اس میں گم ہو کر رہ جاتی ہے۔ چنانچہ بارہا اللہ تعالیٰ نے ایسی قوموں کو تباہ کیا جنھوں نے اپنے رسول کا انکار کر دیا تھا۔

حضرات انبیا کے نام لیوا ان کی امتوں کی شکل میں دنیا میں موجود رہے ہیں۔ پچھلے چار ہزار برس سے یہ لوگ ایک خاص گروہ یعنی حضرت ابراہیم کی اولاد اور ان کے متعلقین و متبعین کی شکل میں دنیا میں موجود ہیں۔ تاہم شیطان نے ہر ممکنہ حربہ استعمال کر کے اس گروہ کو بھی بار بار اپنی دشمنی کا نشانہ بنایا ہے۔

مثلاً یہود کی تاریخ کے دو ادوار ہیں۔ پہلے دور میں شیطان ان میں شرک پھیلاتا رہا۔ کبھی یہ بچھڑے کی پرستش میں مبتلا ہوئے تو کبھی بعل نامی بت کے پجاری بن گئے۔ جب یہ مرض انتہا کو پہنچا اور یہ اپنے سمجھانے والے انبیا کے دشمن بن گئے تو اللہ کا قہر ان پر بھڑکا اور بخت نصر کے ذریعے سے ان پر خدا کا عذاب آگیا جس میں لاکھوں یہودی مارے گئے اور پوری قوم جلاوطن ہوگئی۔

اس کے بعد یہود کی تاریخ کا ایک دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔ اس دور میں یہ شرک سے دور ہوگئے۔ اس دفعہ شیطان نے ایک دوسری جگہ سے اپنا وار کیا۔ وہ یہ کہ ان میں دین ظاہری اعمال اور فروعی چیزوں کا نام بن گیا۔ اصل دینی روح اور اعلیٰ اخلاقی رویے جو کہ بندگی کی جان ہیں ان میں سے ختم ہوگئے۔ دنیا کو شرک کی لعنت اور شیطان کے پھندے سے بچانے کے بجائے سیاسی غلبہ ان کی فکر کا مرکزی خیال بن گیا۔

اس رویے پر جلیل القدر انبیاء خاص طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب تنبیہ کی تو انہوں نے ایک دفعہ پھر انبیا کی زبردست مخالفت کی۔ جس کے بعد ان پر خدا کا عذاب رومیوں کی شکل میں نازل ہوگیا۔ حضرت عیسیٰ کو ماننے والے ابتداء میں خدا پرست یہودی ہی تھے، مگر رفتہ رفتہ شیطان نے خود ان میں شرک کو عام کر دیا انھوں نے بت پرستوں کی دیکھا دیکھی خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معاذ اللہ ابن اللہ بنا دیا۔

آج امت مسلمہ کی ذمہ داری وہی ہے جو یہود کی تھی۔ یعنی دنیا کو شیطان کے پھندے سے بچانا اور شرک و الحاد سے نکال کر جنت کی راہوں کا مسافر بنانا۔ چنانچہ شیطان ان کا بھی بدترین دشمن ہے۔ وہ ان میں شرک پھیلا کر، ظاہر پرستی کو عام کر کے اور اخلاقی پستی میں مبتلا کر کے ان کو خدا کے غضب میں مبتلا کرنا چاہتا ہے۔ اب یہ مسلمانوں کا کام ہے کہ وہ شیطان کے مشن کو سمجھیں اور اس کے پھندے سے بچتے ہوئے انسانیت کو خدا کی طرف بلائیں۔ یہی ان کی عزت اور کامرانی کا اصل راستہ ہے۔

یہود اور قرآن مجید

قرآن مجید مسلمانوں کی مقدس کتاب ہے۔ قرآن مجید کا ایک طالب علم جب اس کتاب کو سمجھ کر پڑھنا شروع کرتا ہے تو اس کے سامنے ایک سنجیدہ اور معقول سوال پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ یہ کہ اس کے ایک بہت بڑے حصے میں اہل کتاب اور خاص کر یہودیوں کے معاملات اور ان کا رویہ بہت تفصیل کے ساتھ زیر بحث آیا ہے۔ بالخصوص قرآن مجید کا پہلا ایک چوتھائی سے زیادہ حصہ جس میں سورہ بقرہ، سورہ آل عمران، سورہ نساء، سورہ مائدہ اور پھر سورہ اعراف شامل ہیں، اس میں یہودیوں کے حالات، رویے، تاریخ اور اللہ تعالیٰ کا ان کے ساتھ معاملہ بہت تفصیل سے زیر بحث آیا ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک ایسی کتاب جس کو نہ یہودی اپنی کتاب مانتے ہیں، نہ کبھی کوئی یہودی اسے پڑھتا ہے، اس میں یہودیوں کی تاریخ اور معاملات کو اس طرح محفوظ کر دینے کی کیا حکمت ہے؟ یہ کتاب اگر مسلمانوں ہی کو پڑھنی ہے تو قیامت تک کے لیے یہودیوں کے احوال اور تاریخ اس کتاب میں جمع کر دینے کی کیا وجہ ہے؟

اس سوال کا جواب قرآن کی ابتدائی سورت یعنی البقرہ ہی میں موجود ہے۔ اس سورت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں سے ایک عہد باندھا تھا۔ اس عہد کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے ان کو تمام جہانوں پر فضیلت عطا فرمائی تھی۔ یہ عہد اللہ کی اطاعت اور اس سے وفاداری کا تھا۔ پھر سورہ بقرہ ہی میں آگے چل کر یہ بتایا گیا ہے کہ ڈیڑھ ہزار برس کی اُس وقت تک کی تاریخ میں یہودیوں نے جب کبھی اس عہد کو توڑا ان کو سزا دی گئی اور جب نبھایا تو عزت ملی۔ پھر بتایا گیا کہ یہودیوں کے جرائم کی بنا پر ان سے یہ عہد ختم کیا جا رہا ہے اور اسی منصب پر ایک دوسری امت کو فائز کیا جا رہا ہے۔

چنانچہ یہی وہ پس منظر ہے جس میں یہودیوں کی تاریخ اور ان کے معاملات کو ایک چوتھائی سے زیادہ قرآن مجید میں محفوظ کر دیا گیا ہے۔ اس کا اصل مقصد یہ تھا کہ اِس نئی امت کی یادداشت کو ہمیشہ تازہ رکھا جائے کہ وہ کس منصب پر فائز ہو رہے ہیں۔ انہیں یاد رہنا چاہیے کہ اس سے قبل ڈیڑھ ہزار سال میں اللہ تعالیٰ یہودیوں کے ساتھ کیا کرتے رہے ہیں۔ جو کرتے رہے ہیں وہ انہوں نے اپنی اس آخری کتاب میں لکھ دیا ہے۔

اب اس نئی امت کو یاد رہنا چاہیے کہ اس کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ کوئی جدا معاملہ نہیں کریں گے۔ یہود کو ان کے جرائم پر سزا ملی ہے تو نئی امت کو بھی کسی رعایت اور درگرز کی توقع نہیں رکھنی چاہیے۔ یہودیوں کے جرائم کی وجہ سے اگر غیر ملکی طاقتیں ان پر حکمران ہوئی ہیں تو نئی امت کے اخلاقی زوال کی اسے بھی یہ قیمت دینی ہو گی۔ یہودیوں کی گمراہی کا وبال اگر ان کے قتل عام کی شکل میں نکلا ہے تو نئی امت کے ساتھ بھی یہی ہو گا۔ پرانی امت کے گناہوں کی پاداش میں انہیں اگر جلاوطنی کا عذاب سہنا پڑا ہے تو نئی امت کے ساتھ بھی یہی کہانی دہرائی جائے گی۔

یہی معاملہ اطاعت و فرمانبرداری کی شکل میں ہو گا۔ اگر یہودیوں نے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کی قیادت میں اللہ کی شکر گزاری اور فرمانبرداری کو زندگی بنایا تو اس کے نتیجے میں آسمان و زمین نے ان پر اپنے خزانے کھول دیے تھے۔ یہی معاملہ نئی امت کے ساتھ ہو گا۔ اگر یہودیوں کی توبہ کے نتیجے میں اللہ نے یہودیوں کی ذلت کو عزت سے بدل دیا تھا تو نئی امت کی توبہ کے نتیجے میں وہ ان کے دن بھی پھیر دیں گے۔ اگر یہودیوں میں اصلاح کی سوچ پیدا ہوئی تو ان کا غلبہ پورے فلسطین پر ہو گیا۔ نئی امت بھی اپنی اصلاح کو مقصد بنا لے گی تو ایک دفعہ پھر پورے فلسطین بلکہ پوری دنیا پر اسی کا غلبہ ہو جائے گا۔

یہی قرآن مجید کے اس حصے کا سبق ہے۔ یہی یہود کی تاریخ کا سب سے بڑا سبق ہے۔

ہدایت کے دو ادوار

قرآن مجید سے ہدایت کی جو تاریخ سامنے آتی ہے اس کے دو حصے ہیں۔ پہلا حصہ وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ہر قوم اور ہر خطے میں اپنے ہدایت دینے والوں کو بھیجا اور ان کے ذریعے سے ان کو اپنی ہدایت اور مرضی سے آگاہ کیا۔ اس دور میں جو نمائندہ اور اہم اقوام تھیں ان میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو بھیجا۔ ان رسولوں کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کا پیغام نہ صرف اس قوم تک پہنچا بلکہ اس قوم کو یہ بتا دیا گیا کہ ان کے کفر کی پاداش میں ہر نافرمان کو چن چن کو مار دیا جائے گا۔ اور صرف ایمان لانے والوں کو بچایا جائے گا۔

حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح علیہم السلام اور ان جیسے متعدد پیغمبروں کو اسی اصول پر ان کی قوموں میں بھیجا گیا۔ قوم نے جب ان کی بات نہ مانی تو اسے آخر کار ہلاک کر دیا گیا۔ گنتی کے چند لوگ جو ایمان لائے صرف ان کو بچایا گیا۔ تاہم ہر دفعہ یہ ہوتا تھا کہ یہ بچنے والے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان ساری گمراہیوں کا شکار ہو جاتے جس کا شکار اگلے لوگ ہوئے تھے۔ چنانچہ پھر ایک نئے رسول کی بعثت ہوتی۔ پھر اس کا انکار ہوتا۔ پھر قوم ہلاک کر دی جاتی۔

پوری پوری قوموں کی ہلاکت ظاہر ہے کہ ایک بہت بڑا واقعہ تھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ انسانوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا تھا۔ چنانچہ قوم کی ہلاکت کی شکل میں مرنے والے لوگوں کی تعداد بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ پھر قومیں اپنی گمراہی میں اتنی شدت سے مبتلا تھیں کہ وہ کسی سچائی کو مان کر ہی نہیں دے رہی تھیں۔ چنانچہ ان کی ہلاکت ناگزیر تھی۔ یہ سلسلہ جاری رہتا تو انتہائی خوفناک نتائج نکلتے۔ قومیں اس دنیا میں ہلاکت کے انجام سے اور ان کے افراد آخرت میں جہنم کے انجام سے دوچار ہوتے۔

یہی وہ حالات تھے جن میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے اصل مسئلے کو حل کرنے کے لیے ایک دوسرا انتظام کیا۔ اس انتظام کو سمجھنے کے لیے پہلے مسئلے کو سمجھ لینا چاہیے۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں انسانیت کا آغاز ایک نبی حضرت آدم علیہ السلام سے ہوا۔ چنانچہ ساری انسانیت ابتداء میں توحید ہی پر قائم تھی۔ تاہم آہستہ آہستہ شیطان کی دراندازی اور انسانی کمزوریوں کی بنا پر شرک پھیلنا شروع ہوا۔ شرک اتنا زیادہ عام ہوا کہ پورا سماج اور پوری ریاستی قوت شرک کی سرپرست بن گئی۔ ایسے میں ایک اللہ پر ایمان لانا، ایک رسول کی بات کو جو بالکل اجنبی تھی قبول کرنا پورے سماج، اس کی اقدار اور سب سے بڑھ کر خود ریاست سے ٹکرانے کے ہم معنی بن گیا۔

پھر یہ کسی ایک علاقے کا معاملہ نہ تھا۔ بلکہ شرک ایک عالمگیر تہذیبی قدر کی شکل اختیار کر گیا تھا۔ چنانچہ رسولوں کی دعوت کے بعد جب ان کی قوم ہلاک کی جاتی اور نئی امت توحید خالص سے اپنا آغاز کرتی تب بھی عالمی اثرات سے متاثر ہو کر وقت کے ساتھ ساتھ ان میں پھر وہی گمراہیاں پھیل جاتیں۔

یہی وہ پس منظر ہے جس میں ہدایت کا دوسرا دور شروع ہوا۔ اس دور میں پہلے یہود اور پھر عربوں کی شکل میں توحید کی بنیاد پر ایک پورا معاشرہ قائم کیا گیا۔ ان کے ذریعے سے دوسری اقوام تک توحید کا پیغام پہنچتا۔ جو لوگ ایمان لاتے ان کے سامنے ایک ماڈل بھی ہوتا اور کسی ظلم اور جبر کی صورت میں یہ توحیدی معاشرہ اس کو مکمل پناہ دیتا۔ اس دور میں انبیاء ورسل کی عالمی بعثت کم ہوتی گئی۔ جو نبی آتے وہ بھی زیادہ تر اسی توحیدی معاشرے کی اصلاح کے لیے آتے۔ یہاں تک کہ آخری نبی کے ساتھ رسالت اور نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا۔

اب تا قیامت یہ امت مسلمہ نبیوں اور رسولوں کی جگہ کھڑی ہوئی ہے۔ یہ ان کی ذمہ داری ہے کہ خود بھی اللہ کی اطاعت پر قائم رہیں اور دنیا کو بھی اس کی طرف بلاتے رہیں۔ اسی میں ان کی ساری عزت اور ذلت کا راز پوشیدہ ہے۔

بنی اسرائیل سے لیا گیا عہد

قرآن مجید میں بنی اسرائیل سے لیے گئے مختلف عہد و پیمان کا ذکر ہے۔ ان میں اصل اور بنیادی وہ تھا جس میں اللہ تعالیٰ نے ان سے اپنی وفاداری اور اطاعت کا عہد لیا تھا۔ ساتھ میں یہ بتادیا تھا کہ اس عہد کو پورا کرنے اور اس عہد شکنی کے نتائج کیا ہوں گے۔ بنی اسرائیل کی پوری تاریخ اسی عہد کو پورا کرنے یا عہد شکنی کے نتائج کی داستان ہے۔ ذیل میں وہ عہد بیان کیا جارہا ہے جو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے کیا تھا اور جس کی بنا پر ان کو تمام جہان والوں پر فضیلت دی گئی تھی۔ اس عہد کا ذکر تورات کی کتاب استثنا میں کئی جگہ کیا گیا ہے، تاہم باب 28 میں اس کی تفصیل اس طرح کی گئی ہے:

”اور اگر تُو خداوند اپنے خدا کی بات کو جاں فشانی سے مان کر اس کے ان سب حکموں پر جو آج کے دن میں تجھ کو دیتا ہوں، احتیاط سے عمل کرے تو خداوند تیرا خدا سب قوموں سے زیادہ تجھ کو سرفراز کرے گا۔ اور اگر تو خداوند اپنے خدا کی بات سنے تو یہ سب برکتیں تجھ پر نازل ہوں گی اور تجھ کو ملیں گی۔ شہر میں بھی تو مبارک ہو گا اور کھیت میں بھی مبارک ہو گا۔ تیری اولاد اور تیری زمین کی پیداوار اور تیرے چوپایوں کے بچے یعنی گائیں بیل کی بڑھتی (اضافہ) اور تیری بھیڑ بکریوں کے بچے مبارک ہوں گے۔ تیرا ٹوکرا اور تیری کٹھوتی (لکڑی کا برتن)، دونوں مبارک ہوں گے۔ اور تو اندر آتے وقت مبارک ہو گا اور باہر جاتے وقت بھی مبارک ہو گا۔ خداوند تیرے دشمنوں کو جو تجھ پر حملہ کریں تیرے روبرو شکست دلائے گا۔ وہ تیرے مقابلہ کو تو ایک ہی راستہ سے آئیں گے پر سات سات راستوں سے ہو کر تیرے آگے سے بھاگیں گے۔ خداوند تیرے انبار خانوں میں اور سب کاموں میں جن میں تو ہاتھ لگائے برکت کا حکم دے گا اور خداوند تیرا خدا اس ملک میں جسے وہ تجھ کو دیتا ہے، تجھے بخشے گا۔ اگر تو خداوند اپنے خدا کے حکموں کو مانے اور اس کی راہوں پر چلے تو خداوند اپنی اس قسم کے مطابق جو اس نے تجھ سے کھائی تجھ کو اپنی پاک قوم بنا کر قائم رکھے گا۔ اور دنیا کی سب قومیں یہ دیکھ کر کہ تو خداوند کے نام سے کہلاتا ہے تجھ

سے ڈر جائیں گی۔ اور جس ملک کو تجھ کو دینے کی قسم خداوند نے تیرے باپ دادا سے کھائی تھی، اس میں خداوند تیری اولاد کو اور تیرے چوپایوں کے بچوں کو اور تیری زمین کی پیداوار کو خوب بڑھا کر تجھ کو برومند کرے گا۔ خداوند آسمان کو جو اس کا اچھا خزانہ ہے، تیرے لیے کھول دے گا کہ تیرے ملک میں وقت پر مینہ برسائے اور وہ تیرے سب کاموں میں جن میں تو ہاتھ لگائے برکت دے گا اور تو بہت سی قوموں کو قرض دے گا پر خود قرض نہیں لے گا۔ اور خداوند تجھ کو دم نہیں، بلکہ سر ٹھیرائے گا اور تو پست نہیں، بلکہ سرفراز ہی رہے گا بشرطیکہ تو خداوند اپنے خدا کے حکموں کو جو میں تجھ کو آج کے دن دیتا ہوں سنے اور احتیاط سے ان پر عمل کرے۔ اور جن باتوں کا میں آج کے دن تجھ کو حکم دیتا ہوں، ان میں سے کسی سے داہنے یا بائیں ہاتھ مڑ کر دوسرے معبودوں کی پیروی اور عبادت نہ کرے۔

لیکن اگر تو ایسا نہ کرے کہ خداوند اپنے خدا کی بات سن کر اس کے سب احکام اور آئین پر جو آج کے دن میں تجھ کو دیتا ہوں احتیاط سے عمل کرے تو یہ سب لعنتیں تجھ پر نازل ہوں گی اور تجھ پر لگیں گی۔ شہر میں بھی تو لعنتی ہو گا اور کھیت میں بھی تو لعنتی ہو گا۔ تیرا ٹوکرا اور تیری کٹھوتی دونوں لعنتی ٹھیریں گے۔ تیری اولاد اور تیری زمین کی پیداوار اور تیرے گائیں بیل کی بڑھتی اور تیری بھیڑ بکریوں کے بچے لعنتی ہوں گے۔ تو اندر آتے لعنتی ٹھیرے گا اور باہر جاتے بھی لعنتی ٹھیرے گا۔ خداوند ان سب کاموں میں جن کو تو ہاتھ لگائے لعنت اور اضطراب اور پھٹکار کو تجھ پر نازل کرے گا، جب تک کہ تو ہلاک ہو کر جلد نیست و نابود نہ ہو جائے۔ یہ تیری ان بد اعمالیوں کے سبب سے ہو گا جن کو کرنے کی وجہ سے تو مجھ کو چھوڑ دے گا۔ خداوند ایسا کرے گا کہ وبا تجھ سے لپٹی رہے گی۔ جب تک کہ وہ تجھ کو اس ملک سے جس پر قبضہ کرنے کو تو وہاں جا رہا ہے فنا نہ کر دے۔ خداوند تجھ کو تپ دق اور بخار اور سوزش اور شدید حرارت اور تلوار اور بادِ سموم اور گیروئی سے مارے گا اور یہ تیرے پیچھے پڑے رہیں گے، جب تک کہ تو فنا نہ ہو جائے۔ اور آسمان جو تیرے سر پر ہے پیتل کا اور زمین جو تیرے نیچے ہے لوہے کی ہو جائے گی۔ خداوند مینہ کے

بدلے تیری زمین پر خاک و دھول برسائے گا یہ آسمان سے تجھ پر پڑتی ہی رہیں گی، جب تک کہ تو ہلاک نہ ہو جائے۔ خداوند تجھ کو تیرے دشمنوں کے آگے شکست دلائے گا۔ تو ان کے مقابلے کے لیے تو ایک ہی راستہ سے جائے گا اور ان کے سامنے سے سات سات راستوں سے ہو کر بھاگے گا اور دنیا کی تمام سلطنتوں میں تو مارا مارا پھرے گا۔ اور تیری لاش ہوا کے پرندوں اور زمین کے درندوں کی خوراک ہو گی اور کوئی ان کو ہنکا کر بھگانے کو بھی نہ ہو گا... اور تو اپنے سب دھندوں میں ناکام رہے گا اور تجھ پر ہمیشہ ظلم ہی ہو گا اور تو لٹتا ہی رہے گا اور کوئی نہ ہو گا جو تجھ کو بچائے۔ عورت سے منگنی تو تو کرے گا اور دوسرا اس سے مباشرت کرے گا۔ تو گھر بنائے گا پر اس میں بسنے نہ پائے گا۔ تو تاکستان (انگور کا باغ) لگائے گا اور اس کا پھل استعمال نہ کرے گا... تیرے بیٹے اور بیٹیاں دوسری قوم کو دی جائیں گی اور تیری آنکھیں دیکھیں گی اور سارے دن ان کے لیے ترستی رہ جائیں گی... اگر تو اس شریعت کی ان سب باتوں پر جو اس کتاب میں لکھی ہیں احتیاط رکھ کر اس طرح عمل نہ کرے کہ تجھ کو خداوند اپنے خدا کے جلالی اور مہیب نام کا خوف ہو تو خداوند تجھ پر عجیب آفتیں نازل کرے گا اور تیری اولاد کی آفتوں کو بڑھا کر بڑی اور دیرپا آفتیں اور سخت اور دیرپا بیماریاں کر دے گا۔۔۔" (استثنا:28)

یہی وہ قانون الٰہی ہے جس کی روشنی میں اللہ تعالیٰ ہزاروں برس سے یہود اور حضرت ابراہیم کی اولاد کے ساتھ معاملہ کر رہے ہیں۔ قرآن مجید کے مطابق حضرت عیسیٰ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرنے کے بعد یہود پر تا قیامت مغلوبیت کی سزا مسلط کی گئی ہے۔ وقفے وقفے سے ان کو دردناک عذاب دیے جاتے ہیں۔ تاہم یہ اگر توبہ کر لیں اور ان دو پیغمبروں کی تصدیق کر دیں تو دنیا کا اقتدار ان کو دے دیا جائے گا۔ اس وقت بھی یہودی اصلاً مسیحی ممالک کے زیر دست ہیں۔ زیادہ عرصہ نہیں گزرے گا کہ ان پر ایک دفعہ پھر دردناک عذاب مسلط ہو جائے گا۔

قیامت کا ایک زندہ ثبوت

قرآن مجید کا بنیادی مقدمہ یہ ہے کہ یہ دنیا ایک عارضی دنیا ہے۔ اس کا مقصد انسانوں کا امتحان ہے۔ اصل دنیا قیامت کے دن قائم ہو گی۔ اِس دنیا میں جن لوگوں نے اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری کا راستہ اختیار کیا قیامت کے دن وہ سرفراز ہوں گے۔ رہے وہ جو رب کی نعمتیں پاکر اس کے ناشکرے اور نافرمان رہے۔ آخرت کی ذلت ان کا مقدر ہے۔

موجودہ مادی دنیا میں رہتے ہوئے یہ پورا مقدمہ ماننا ایک بہت مشکل کام ہے۔ جہاں کوئی اخلاقی قانون نہیں چلتا بلکہ مادی قوت اور ظاہری شان وشوکت ہی اصل معیار ہے۔ یہاں خدا نظر نہیں آتا، فرشتے دکھائی نہیں دیتے، قیامت بہرحال ایک مستقبل کا واقعہ ہے، جنت اور جہنم کسی نے نہیں دیکھی۔ اب یہ بات مانی جائے تو کیوں کر مانی جائے۔

تاہم اللہ تعالیٰ نے جو بات اپنی کتاب میں سمجھائی ہے اس کو وہ انسانی تاریخ میں بار بار ثابت کرتے رہے ہیں۔ اس کا ایک ثبوت رسولوں کی اقوام کی وہ روداد ہے جو قرآن مجید میں بیان ہوئی ہے۔ اس کے مطابق ہر رسول نے اپنی قوم کو خدا کا پیغام پہنچایا اور ایمان و عمل صالح کی دعوت دی۔ قوم نے جب انکار کر دیا تو آخر کار ان کو ہلاک کر دیا گیا اور صرف ماننے والوں کو بچایا گیا۔ حضرت نوح سے لے کر سرکار دوعالم تک اللہ کا طریقہ نہیں بدلا۔ اس سے بڑا قیامت کی سزا و جزا کا ثبوت اور کیا ہو گا؟

یہ تو ماضی کا واقعہ تھا۔ مگر پچھلے چار ہزار برس سے حضرت ابراہیم کی اولاد کی شکل میں اللہ نے اس سزا و جزا کا ایک زندہ ثبوت دنیا میں قائم کر رکھا ہے۔ جب کبھی یہ لوگ نیکی اختیار کرتے ہیں۔ ان کو دنیا کا اقتدار دے دیا جاتا ہے۔ جب نافرمانی کرتے ہیں۔ ان پر ذلت اور مغلوبیت مسلط ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد اور کیا چیز ہے جسے دیکھ کر لوگ ایمان لائیں گے؟

حضرت ابراہیم: ایک عہد ساز شخصیت

تاریخ دعوت کے اہم دو مراحل ہیں۔ ایک مرحلہ وہ ہے جس میں انبیا و رسل کے ذریعے سے دنیا کو ہدایت ملتی تھی۔ دوسرا مرحلہ وہ ہے جس میں ایک پوری امت اٹھا کر اس کے ذریعے سے دنیا کے سامنے ہدایت کا ایک مستقل ماڈل رکھ دیا گیا۔

ہدایت کا یہ دوسرا دور جس عہد ساز شخصیت کے ذریعے سے شروع ہوا وہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ ان کی بعثت آج سے چار ہزار سال قبل کے لگ بھگ موجودہ عراق کے علاقے میں ہوئی۔ پہلے وہ اپنی قوم کی طرف ایک رسول کے طور پر بھیجے گئے۔ جب قوم نے کفر کیا تو ان کی قوم کی ہلاکت کا فیصلہ ہو گیا اور وہ اللہ کے حکم سے ہجرت کر گئے۔

عام رسولوں کی داستان اس مرحلے کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے۔ تاہم سیدنا ابراہیم کی یہ عظمت ہے کہ اس مقام سے ان کی داستان نے ایک نیا رخ لیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو مختلف سخت ترین امتحانوں سے گزارا اور جب وہ ان امتحانوں میں پورا اترے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو تمام انسانیت کے لیے رہنما بنا دیا گیا۔ یہ فیصلہ کیا گیا کہ آنے والی تمام انسانیت ان کی اولاد کے ذریعے سے ہدایت پائے گی۔

اس فیصلے کا پس منظر یہ تھا کہ شرک اس دور میں پوری دنیا میں اس طرح پھیل چکا تھا کہ توحید کی دعوت کے فروغ کا ہر امکان ختم ہو چکا تھا۔ قومیں کی قومیں تباہ ہو جاتی تھیں، مگر شرک اور بداخلاقی کو نہ چھوڑتی تھیں۔ کسی ایسے شخص کا جینا عملاً ناممکن بنا دیا گیا تھا جو دین حنیف کا پیروکار ہو۔ یہ بات حضرت ابراہیم کے بھتیجے حضرت لوط کی قوم کی تباہی کے بعد اور واضح ہو گئی۔

چنانچہ اس پس منظر میں ان کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے بڑے بیٹے سیدنا اسماعیل علیہ السلام کو مکہ کی بنجر وادی میں بسا دیں۔ یہاں دونوں باپ بیٹوں نے مل کر اللہ کے حکم سے اللہ کے گھر خانہ کعبہ کی تعمیر کی۔ حضرت اسماعیل علیہ

السلام کی ذمہ داری یہ تھی کہ اس بنجر صحرا کے سخت ترین حالات میں رہ کر بھی اللہ کے اس گھر کو آباد رکھیں۔ اپنی قوم بنی جرہم کو دین حنیف کی تربیت دیں۔ اور دنیا بھر میں جو کچھ خدا پرست بچے ہیں، ان کے لیے توحید کے اس واحد مرکز کے دروازے کھلے رہیں۔ یہی حضرت اسماعیل ہیں جن کی اولاد میں دو ہزار سال بعد سرکار دوعالم پیدا ہوئے اور اپنی قوم بنی اسماعیل کو اسلام کی دعوت دی۔

جبکہ ان کے دوسرے بیٹے اسحاق اور ان کے بیٹے یعقوب اور پھر ان کی اولاد کے بارے میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ وہ دنیا کے مرکز یعنی فلسطین میں رہ کر شرک کے خلاف جنگ کرتے رہیں گے اور توحید کا علم بلند رکھیں گے۔ حضرت یعقوب کا لقب اسرائیل تھا۔ اسی مناسبت سے ان کی اولاد سے بننے والی قوم بنی اسرائیل یا یہود کہلائی۔ حضرت یعقوب کے بارہ بیٹے تھے جن میں سے حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں بنی اسرائیل مصر میں جاکر آباد ہوگئے۔ کئی صدی بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جب فرعون کو اس کے کفر کی پاداش میں ہلاک کیا گیا تو بنی اسرائیل نے مصر سے ہجرت کی اور فلسطین میں آباد ہوئے۔

حضرت ابراہیم کی اولاد میں پہلے بنی اسرائیل کو دنیا کی امامت اور رہنمائی کے منصب پر فائز کیا گیا۔ مگر جب انہوں نے مسلسل نافرمانی کی تو ان کو اس منصب سے معزول کر دیا گیا۔ پھر بنی اسماعیل کو یہ منصب دیا گیا۔ اب تاقیامت وہی اس منصب پر فائز رہیں گے۔

حضرت ابراہیم کے دور سے لے کر آج تک ان کی اولاد اور ان کے نام لیوا ہی اس دنیا میں اللہ کی ہدایت کے امین ہیں۔ ان ہی کے ذریعے سے دنیا کو ہدایت ملتی ہے۔ ان ہی کی کوتاہی سے دنیا ہدایت سے محروم رہ جاتی ہے۔ حضرت ابراہیم کی اولاد اور ان کے متبعین اگر اس حقیقت کو پہنچان کر اپنا کام کریں گے تو عزت ان کا مقدر رہے۔ وہ اس منصب کو بھولے رہیں گے تو ذلت اور مغلوبیت ان کا مقدر بنے گی۔

حضرت ابراہیمؑ کی امامت

(حضرت ابراہیم اور ان کی اولاد کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کے قانون کی تفصیل میں لکھی گئی یہ تحریر ابو یحییٰ کی کتاب 'عروج وزوال کا قانون اور پاکستان' سے لی گئی ہے۔)

قرآن میں حضرت ابراہیم اور ان کی اولاد کے منصب امامت کا واقعہ یوں بیان ہوا ہے:

"اور (یاد کرو) جب ابراہیم کو اس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا تو وہ اس نے پوری کر دکھائیں۔ فرمایا: بے شک میں تمھیں لوگوں کا پیشوا بناؤں گا۔ اس نے پوچھا: اور میری اولاد میں سے؟ فرمایا: میرا یہ عہد ان لوگوں کو شامل نہیں ہے جو ظالم ہوں گے۔ "(البقرہ 124:2)

اس آیت میں نہ صرف حضرت ابراہیم کے امام بنائے جانے کا بیان ہے، بلکہ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اولادِ ابراہیم کے لیے نصبِ امامت کا ضابطہ وہی ہے جو آنجنابؑ کے لیے تھا۔ یعنی جس طرح حضرت ابراہیمؑ کو ان کے رب نے آزمایا، اسی طرح اولادِ ابراہیم کو بھی آزمایا جائے گا۔ جو لوگ اس امتحان میں پورے اترے، انھیں دنیا میں عروج واقتدار نصیب ہو گا۔ جنھوں نے ظلم ونافرمانی کی راہ اختیار کی وہ اس منصب کے حق دار نہیں۔ بنی اسرائیل اور بنی اسماعیل کی پوری تاریخ کا فلسفہ اسی ایک آیت میں بیان ہو گیا ہے۔ چنانچہ ہم آگے چل کر ان دونوں کی تاریخ سے یہ بات دکھائیں گے کہ عالم اسباب میں رہتے ہوئے، ان کا عروج وزوال خدا سے وفاداری اور شریعت کی پاس داری سے وابستہ رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اس فیصلے کی روشنی میں حضرت ابراہیم کو بڑھاپے میں دو عظیم بیٹے اور پیغمبر اسمٰعیل اور اسحاق عطا کیے گئے۔ انھیں اپنے اس مقام کا بخوبی احساس تھا۔ چنانچہ عقیدہ اور عمل کی سطح پر خدا سے وفادار رہنے پر اپنی اولاد کو

متنبہ کرنا اور خدا سے اس کے لیے دعا کرنا حضرت ابراہیم اور ان کی اولاد کا خاصہ رہا ہے،

(البقرہ2:127،132-133)

ان میں سے چھوٹے صاحب زادے اسحاق کو کنعان (موجودہ فلسطین) کے علاقے میں آباد کیا گیا اور پہلے انہی کی اولاد کو منصب امامت سے سرفراز کیا گیا۔ جبکہ بڑے بیٹے حضرت اسماعیل کو اللہ کے حکم کے مطابق مکہ کی وادی غیر ذی زرع میں ان کی والدہ محترمہ ہاجرہ کے ہمراہ آباد کر دیا گیا۔ اس موقع پر جو شان دار دعا حضرت ابراہیم نے فرمائی، وہ اس بات کا بھی اظہار ہے کہ آپ کی ذریت کا اصل مشن توحید سے عقیدہ اور عمل کی سطح پر وفاداری اور اس کی بنیاد پر ایک خدا پرستانہ معاشرے کا قیام ہے اور جو لوگ اس ضمن میں آپ کی پیروی نہیں کریں گے، ان کا آپ سے کوئی تعلق نہیں:

"اور (یاد کرو) جب ابراہیم نے دعا کی: اے میرے رب، اس سرزمین کو پرامن بنا اور مجھ کو اور میری اولاد کو اس بات سے محفوظ رکھ کہ ہم بتوں کو پوجیں۔ اے میرے رب، ان بتوں نے لوگوں میں سے ایک خلق کثیر کو گمراہ کر رکھا ہے تو جو میری پیروی کرے، وہ مجھ سے ہے۔ اور جو میری نافرمانی کرے تو تو بخشنے والا مہربان ہے۔ اے میرے رب، میں نے اپنی کچھ اولاد کو بن کھیتی کی وادی میں تیرے محترم گھر کے پاس بسایا ہے۔ اے میرے رب، تاکہ وہ نماز کا اہتمام کریں۔ تو تو لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر دے اور ان کو پھلوں کی روزی عطا فرما تاکہ وہ تیرا شکر ادا کریں۔ اے میرے رب، تو جانتا ہے جو ہم پوشیدہ رکھتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں۔ اور اللہ سے کوئی چیز بھی مخفی نہیں نہ زمین میں اور نہ آسمان میں۔ شکر ہے اس اللہ کے لیے جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق عطا فرمائے۔ بے شک میرا رب دعا کا سننے والا ہے۔ اے میرے رب، مجھے نماز کا اہتمام کرنے والا بنا اور میری اولاد میں سے بھی۔ اے میرے رب، اور میری دعا قبول فرما۔" (ابراہیم14:35-41)

آل ابراہیمؑ کی امامت اور ان سے لیا گیا عہد

قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ کے دور میں بنی اسرائیل جب ایک زبردست آزمائش سے گزر رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں امامت کے منصب پر فائز کرنے کا فیصلہ کیا:

"بے شک فرعون سرزمین (مصر) میں بہت سرکش ہو گیا تھا اور اس نے اس کے باشندوں کو مختلف طبقوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ ان میں سے ایک گروہ (بنی اسرائیل) کو اس نے دبا رکھا تھا۔ ان کے بیٹوں کو ذبح کر چھوڑتا اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھتا۔ بے شک وہ زمین میں فساد برپا کرنے والوں میں سے تھا۔ اور ہم یہ چاہتے تھے کہ ان لوگوں پر احسان کریں جو ملک میں دبا کر رکھے گئے تھے اور ان کو پیشوا بنائیں اور ان کو وراثت بخشیں اور ان کو زمین میں اقتدار عطا کریں۔"، (القصص28:4-5)

قرآن کی سورۃ البقرہ اصلاً وہ مقام ہے جہاں امامت پر بنی اسرائیل اور بنی اسماعیل کے نصب و عزل کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ اس میں اس بات کو یوں بیان کیا گیا ہے۔

"اے بنی اسرائیل! یاد کرو میری اس نعمت کو جو میں نے تم پر کی اور اس بات کو کہ میں نے تمہیں دنیا والوں پر فضیلت دی۔"، (البقرہ2:47)

تاہم دنیا کی پیشوائی کی یہ نعمت نسلی برتری کی بنیاد پر نہیں دی گئی بلکہ اس کی بنیاد وہ عہد تھا جس کا تفصیلی ذکر ہم بائبل کے حوالے سے آگے بیان کریں گے۔ قرآن اسے یوں بیان کرتا ہے۔

"اے بنی اسرائیل! یاد کرو میری اس نعمت کو جو میں نے تم پر کی اور میرے عہد کو پورا کرو میں تمہارے عہد کو پورا

کروں گا اور مجھ ہی سے ڈرو۔" (البقرہ 40:2)

اس سورہ میں ابتدائی تمہید کے بعد اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو مخاطب کیا اور اس عہد کی پاسداری کی طرف انہیں متوجہ کیا جو وہ خدا سے کر چکے ہیں۔ اس کے بعد ان کی تاریخ کے بعض اہم واقعات کے حوالے سے ان پر فرد جرم عائد کی گئی ہے۔ اسی تذکرے میں بنی اسرائیل کے دوسرے جرائم کے علاوہ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ بنی اسرائیل سے متعدد عہد لیے گئے تھے مگر وہ ہر دفعہ عہد شکن ثابت ہوئے (63,83,84,93)۔ ان میں سے خصوصاً شریعت کی پاسداری کا عہد بڑے غیر معمولی حالات میں لیا گیا تھا:

"اور (یاد کرو) جب کہ ہم نے تم سے عہد لیا اور تمہارے اوپر طور کو اٹھایا (اور حکم دیا کہ) جو کچھ ہم نے تم کو دیا ہے اس کو مضبوطی کے ساتھ پکڑو اور سنو (اور مانو)۔ انہوں نے کہا: ہم نے سنا اور نافرمانی کی۔۔۔"، (البقرہ 93:2)

پھر اس سورت میں یہ بتایا گیا ہے کہ امامت کا منصب اصل میں سیدنا ابراہیمؑ کو دیا گیا تھا اور ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کی نسل سے ایک امتِ مسلمہ کی بعثت پہلے ہی سے اللہ تعالیٰ کی اسکیم میں شامل تھی۔ اب یہ منصب بنی اسرائیل سے ان کی نافرمانی کے نتیجے میں سلب کیا جا رہا ہے اور اٰل ابراہیم کی دوسری شاخ یعنی بنی اسماعیل میں منتقل کیا جا رہا ہے، جنہوں نے توحید کی دعوت کو قبول کر لیا ہے۔ تحویل قبلہ کا حکم (یعنی بیت المقدس سے بیت اللہ کو قبلہ بنانے کا حکم) اس کی علامت تھی جس کے فوراً بعد بنی اسماعیل کو اس منصب پر فائز کرنے کا اعلان ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

"اور اسی طرح (یعنی جس طرح ہم نے بنی اسرائیل کو اس منصب پر فائز کیا تھا) ہم نے تمہیں ایک بیچ کی امت بنایا تا کہ تم لوگوں پر گواہی دینے والے بنو اور رسول تم پر گواہی دینے والا بنے۔"، (البقرہ 143:2)

یہ بات زیادہ صراحت سے سورۃ الحج (22) آیات 75-78 میں بیان ہوئی ہے۔اس کے بعد آخرِ سورت تک شریعت کے احکامات دیے گئے ہیں تاکہ اس خدا پرستانہ معاشرہ کے خدوخال دنیا کے سامنے آجائیں۔ سورت کے آخر میں شریعت سے پاسداری کے ان کے اقرار کا بیان اس طرح ہے:

”رسول ایمان لایا اس چیز پر جو اس پر اس کے رب کی طرف سے اتاری گئی اور مومنین بھی۔ یہ سب ایمان لائے اللہ پر۔۔۔اور کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی۔ “(البقرہ 285:2)

صحابہؓ کرام نے بنی اسرائیل کے ”**سمعنا وعصینا**“ کے برعکس ”**سمعنا واطعنا**“ کے الفاظ کہے۔یہی وہ الفاظ اور عہد ہے جس کی یاددہانی شریعت کے آخری احکامات اترتے وقت اس طرح کرائی گئی۔

”اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اس میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جب تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی اور اللہ سے ڈرتے رہو۔“(المائدہ 7:5)

آل ابراہیمؑ کا عروج وزوال

امامت کے اس منصب کا مطلب خدا کی کسی قوم سے خصوصی قرابت نہیں کہ ہر حال میں اس قوم کی مدد کرے، بلکہ یہ پورا معاملہ آزمائش کے اصول پر کیا گیا تھا۔ چنانچہ نزول قرآن کے وقت خدا نے یہ واضح کر دیا کہ نافرمانی کی صورت میں وہ ماضی میں عذاب دینے میں کبھی جھجکا ہے اور نہ مستقبل میں جھجکے گا۔ بنی اسمٰعیل اور بنی اسرائیل، دونوں کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”نہ تمہاری آرزوؤں سے کچھ ہونے کا ہے نہ اہل کتاب کی۔ جو کوئی برائی کرے گا، اس کا بدلہ پائے گا اور وہ اپنے

لیے اللہ کے مقابل کوئی کارساز اور مددگار نہیں پائے گا۔" (النساء4:123)

سورۂ بنی اسرائیل (17) میں بنی اسرائیل کے عروج و زوال کی داستان بیان کی گئی اور اسے ان کے اعمال سے منسوب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا:

"اور ہم نے بنی اسرائیل کو اپنے اس فیصلہ سے کتاب میں آگاہ کر دیا تھا کہ تم دو مرتبہ زمین میں فساد مچاؤ گے اور بہت سر اٹھاؤ گے۔ پس جب ان میں سے پہلی بار کی میعاد آئی تو ہم نے تم پر اپنے زورآور بندے مسلط کر دیے تو وہ گھروں میں گھس پڑے اور شدنی وعدہ پورا ہو کر رہا۔ پھر ہم نے تمہاری باری ان پر لوٹائی اور تمہاری مال و اولاد سے مدد کی اور تمہیں ایک کثیر التعداد جماعت بنا دیا۔ اگر تم بھلے کام کرو گے تو اپنے لیے اور اگر برے کام کرو گے تو بھی اپنے لیے۔ پھر جب دوسرے وعدہ کا وقت آیا (تو ہم نے تم پر اپنے زور آور بندے مسلط کر دیے) تاکہ تمہارے چہرے بگاڑ دیں اور تاکہ وہ مسجد میں گھس پڑیں جس طرح پہلی بار گھس پڑے تھے اور تاکہ جس چیز پر ان کا زور چلے اسے تہس نہس کر ڈالیں۔ کیا عجب کہ تمہارا رب تم پر رحم فرمائے۔ اور اگر تم پھر وہی کرو گے تو ہم بھی وہی کریں گے۔" (بنی اسرائیل17:4-8)

بنی اسرائیل کے بعد بنی اسماعیل کو منصب امامت پر فائز کیا گیا اور انہیں بتا دیا گیا کہ ایسا نہیں ہے کہ بنی اسرائیل اور بنی اسماعیل کے بعد خدا کے پاس اور لوگ نہیں بچے کہ وہ ہر حال میں ان کے ناز نخرے اٹھاتا رہے گا۔ فرمایا:

"ایمان والو، جو تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے گا (تو اللہ کو کوئی پروا نہیں)، وہ جلد ایسے لوگوں کو اٹھائے گا جن سے وہ محبت کرے گا اور وہ اس سے محبت کریں گے، وہ مسلمانوں کے لیے نرم مزاج اور کافروں کے لیے سخت ہوں گے، اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہ کریں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے، وہ

جس کو چاہے بخشے گا۔ اور اللہ بڑی سماعی رکھنے ولا اور علم والا ہے۔ ''،(المائدہ 54:5)

اس تنبیہ کے ساتھ خدا سے وفاداری کی صورت میں حکومت و اقتدار کا وعدہ بنی اسماعیل سے اس طرح کیا گیا:

''تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے عمل صالح کیے، ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ ان کو زمین میں اقتدار بخشے گا، جیسا کہ ان لوگوں کو اقتدار بخشا جو ان سے پہلے گزرے، اور ان کے لیے ان کے اس دین کو متمکن کرے گا جس کو ان کے لیے پسندیدہ ٹھیرایا، اور ان کی اس خوف کی حالت کے بعد اس کو امن سے بدل دے گا۔ وہ میری ہی عبادت کریں گے اور کسی چیز کو میرا شریک نہ ٹھیرائیں گے۔ اور جو اس کے بعد کفر کریں گے تو درحقیقت وہی لوگ نافرمان ہیں۔،(النور 55:24)

آل ابراہیم کا عروج وزوال ــــــــــ تاریخ کی روشنی میں

[حضرت ابراہیم اور ان کی اولاد کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کے قانون کی تفصیل میں لکھی گئی یہ تحریر ابو یحییٰ کی کتاب 'عروج وزوال کا قانون اور پاکستان' سے لی گئی ہے۔]

ذیل میں ہم بنی اسرائیل اور بنی اسمٰعیل کی تاریخ انتہائی اختصار کے ساتھ بیان کررہے ہیں جس سے یہ بات بالکل مبرہن ہوکر سامنے آجائے گی کہ بنی اسرائیل اور اسی طرح بنی اسماعیل کا عروج وزوال خدا کی اطاعت سے مشروط رہا ہے۔ جب تک انہوں نے ایسا کیا خدا نے انہیں عزت و سرفرازی نصیب فرمائی اور جب انہوں نے اس سے پہلو تہی کی تو خدائی عذاب کا کوڑا ان پر برس گیا۔

بنی اسرائیل: بحیثیت امت

حضرت اسحاق کے بیٹے یعقوب ایک نبی تھے۔ آپ کا لقب اسرائیل (خدا کا بندہ) تھا۔ اسی بنا پر آپ کی اولاد کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے۔ آپ کے بارہ بیٹے تھے جن میں سے حضرت یوسف نبی تھے۔ قرآن کی سورۂ یوسف میں بالتفصیل آپ کا قصہ بیان ہوا جس میں بتایا گیا ہے کہ انہی کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو مصر میں منتقل کیا جو اس وقت تہذیب انسانی کا سب سے بڑا مرکز اور شرک کا گڑھ تھا۔ آپ عملاً مصر کے حاکم مطلق تھے۔ اس لیے آپ کے خاندان کو وہاں غیر معمولی تکریم نصیب ہوئی۔ چنانچہ ان لوگوں نے ان مقاصد کی تکمیل شروع کردی جس کے لیے ان کو چنا گیا تھا اور وہ مصر کی مشرکانہ اور اخلاق باختہ سوسائٹی میں حق کا نمونہ بن کر رہنے لگے۔ تاہم انہیں مصر کی مشرکانہ تہذیب کے اثرات سے بچانے کے لیے مصریوں سے الگ تھلگ جشن کی زمین میں بسایا گیا۔ (پیدایش 6:47)

تاہم کئی صدیوں تک مصر کی مشرکانہ سوسائٹی میں رہنے کے بعد بنی اسرائیل میں شرک کے جراثیم سرایت کرگئے۔ اور وہ اس مقصد کو پورا کرنے کے قابل نہیں رہے کہ مصریوں پر حق کی شہادت دے سکیں۔ دوسرا مسئلہ یہ ہوا کہ

مصر میں اس دوران میں ایک زبردست سیاسی تبدیلی رونما ہوگئی۔ حضرت یوسف کے زمانے میں ہکساس (HYKSOS)یعنی چرواہے بادشاہوں کی حکومت تھی جو عربی النسل تھے۔ ان کے بعد قبطی قوم اقتدار پر قابض ہوگئی جس کے ساتھ بنی اسرائیل کے لیے بھی سخت وقت شروع ہوگیا۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو بحیثیت رسول دوطرفہ مشن کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ آپ کی بعثت کا ایک پہلو تو وہی تھا جو تمام رسولوں کی بعثت کا ہوا کرتا ہے۔ یعنی فرعون اور اس کے حواریوں پر اتمام حجت کرنا۔ دوسرا یہ کہ بنی اسرائیل کو قبطیوں کی غلامی سے نجات دلا کر انہیں بحیثیت امت پوری دنیا کے سامنے پیش کرنا۔

حضرت موسیٰ پر ان کی قوم ایمان لے آئی۔ فرعون پر اتمام حجت کے بعد آل فرعون کو ہلاک کردیا گیا اور بنی اسرائیل کو نہ صرف مصریوں کی غلامی سے رہائی مل گئی، بلکہ انہیں کتاب و شریعت کی نعمت سے سرفراز کرنے اور حکومت و اقتدار پر فائز کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ یہ حضرت موسیٰ کی دعوت پر لبیک کہنے اور اس راہ میں پیش آنے والی سختیوں پر صبر کا نقد انعام تھا (الاعراف 137:7)۔ مصر سے نکلنے کے بعد صحرائے سینا میں ان کے لیے پانی اور من و سلویٰ کا بندوبست کیا گیا۔ دھوپ سے بچاؤ کے لیے آسمان کے بادل ان پر سایہ فگن کردیے گئے۔

بنی اسرائیل کی تاریخ

بنی اسرائیل کی پوری تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خدا سے وفاداری اور شریعت کی پاس داری کے اس عہد کی آخری درجہ میں پابندی کی ہے۔ جب جب انہوں نے غداری و سرکشی کی تو ان پر بدترین عذاب مسلط کردیے گئے اور وفاداری کی صورت میں ان پر انعام و اکرام کے دروازے کھول دیے گئے۔ سورۂ بقرہ کے آغاز میں بنی اسرائیل کو سزا و جزا کی یہی داستان سنائی گئی ہے۔

اس داستان کا آغاز حضرت موسیٰ ہی کی زندگی میں ہوگیا تھا۔ آپ کے زمانے میں ان پر انعام و اکرام کا معاملہ تو اوپر بیان ہوگیا کہ نہ صرف فرعون سے انہیں نجات دلائی گئی، بلکہ صحرا میں ان کے کھانے پینے اور ان پر سائے کے لیے

غیر معمولی انتظامات کیے گئے۔ تاہم جب حضرت موسیٰ کوہِ طور پر گئے اور ان کے پیچھے بنی اسرائیل بچھڑے کو خدا بنا بیٹھے تو انہیں اس جرم پر شدید عذاب دیا گیا۔ اس طرح کہ تمام مجرموں کو ان کے ہم قبیلہ اور خاندان کے لوگوں نے قتل کیا (البقرہ 54:2، خروج 32:25-30)۔ اسی طرح جب انہوں نے جہاد پر جانے کے حضرت موسیٰ کے حکم کے معاملے میں بزدلی دکھائی تو فلسطین کی زمین چالیس سال کے لیے ان پر حرام کر کے صحرا میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیا گیا۔ (المائدہ 26:5)

حضرت موسیٰ کے جانشین حضرت یوشع بن نون ہوئے اور ان کے زمانے میں بنی اسرائیل نے شام و فلسطین کو فتح کر لیا۔ یوں خدا کا وہ وعدہ ان کے حق میں پورا ہوا جو اس مقدس سرزمین کے بارے میں ان سے کیا گیا تھا (یشوع 1:1-6)۔ تاہم اس کا اصل مقصد یہ تھا کہ اس زمانے تک مصر کے زوال کا عمل تیزی سے شروع ہو چکا تھا۔ جبکہ فلسطین کا علاقہ تہذیب انسانی کا مرکز بن رہا تھا اور یہاں کی اقوام گردن تک شرک کی دلدل میں دھنسی ہوئی تھیں۔ چنانچہ بنی اسرائیل کی شکل میں ایک خدا پرست قوم کو ان کے درمیان آباد کر دیا گیا۔ یہ وہی معاملہ تھا جو پہلے مصر میں کیا گیا تھا۔ اس دوران میں ان کی رہنمائی کے لیے ان میں نبی آتے رہے جبکہ ان کے اجتماعی امور کی نگرانی قاضی کیا کرتے تھے، مگر صدیوں کے تعامل کے بعد ایک دفعہ پھر وہی کچھ ہونے لگا جو مصر میں ہوا تھا یعنی ایک طرف تو بنی اسرائیل میں شرک کے اثرات تیزی سے سرائیت کرنے لگے (قضاۃ 2:11-13) اور دوسری طرف بنی اسرائیل سیاسی طور پر مغلوب ہونے لگے۔ ان کے اردگرد آباد مشرک اقوام نے متحد ہو کر ان پر حملے شروع کر دیے اور فلسطین کے بڑے حصے سے انہیں بے دخل کر دیا۔ اس پر بنی اسرائیل میں جہاد کا داعیہ پیدا ہوا اور انہوں نے اس دور کے نبی حضرت سموئیل سے درخواست کی کہ ان کے لیے ایک بادشاہ مقرر کر دیا جائے تاکہ وہ بھی قومی حیثیت میں مشرکوں کا مقابلہ کر سکیں۔ ان کی درخواست پر ان کے لیے طالوت کو بادشاہ مقرر کر دیا گیا۔ ان کی تمام تر کمزوریوں کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد فرمائی اور طالوت کی زیر قیادت انہوں نے مشرکوں کو شکست دے کر اپنا اقتدار

قائم کرلیا (البقرہ 2:246-251)۔ یہیں سے بنی اسرائیل کی تاریخ کا سب سے روشن باب شروع ہوتا ہے جب طالوت کے بعد سیدنا داؤد اور پھر سیدنا سلیمان کے زمانے میں بنی اسرائیل کے اقتدار کا سکہ پورے مشرقِ وسطیٰ جو کہ اس دور کی تہذیب کا مرکز تھا پر چلنا شروع ہو گیا۔ اس دور میں بنی اسرائیل کے اقتدار کا کیا عالم تھا اور کس طرح توحید کی بنیاد پر قائم اس معاشرے نے ارد گرد کے مشرکوں پر اپنا اقتدار قائم کرلیا تھا، اس کا ایک نمونہ وہ واقعہ ہے جو ملکۂ سبا اور حضرت سلیمان کے حوالے سے سورۂ نمل (27) آیات 15-44 میں مذکور ہے۔ یہ زمانہ ایک ہزار قبل مسیح کے لگ بھگ کا ہے۔

تاہم حضرت سلیمان کے بعد چند صدیوں کے اندر اندر بنی اسرائیل میں وہ تمام برائیاں پیدا ہو گئیں جن کے خلاف انہیں جنگ کرنا تھی۔ آنجناب کی عظیم حکومت دو ریاستوں یہودیہ اور اسرائیل میں تقسیم ہو گئی۔ اس دوران میں نبیوں نے بار بار بنی اسرائیل کو ان کی غلط روی پر متنبہ کیا، مگر بے سود۔ آخر کار خدائی عذاب کا کوڑا بنی اسرائیل پر برس پڑا۔ پہلے ریاست اسرائیل آشوریوں کے حملوں میں برباد ہو گئی۔ 721 ق م میں اشوری حکمران سارگون نے اس کے دارالحکومت سامریہ کو فتح کرلیا۔ دوسری طرف 587 ق م میں یہودیہ کی ریاست کے تمام شہر بابل کے حکمران بخت نصر کے حملے میں برباد ہو گئے۔ یروشلم کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی اور ہیکل سلیمانی کو زمین بوس کر دیا گیا۔ اور بخت نصر بنی اسرائیل کو غلام بنا کر بابل لے گیا۔

یہ بنی اسرائیل کے فساد کے جواب میں خدا کی پہلی عظیم سزا تھی جس کا تذکرہ سورۂ بنی اسرائیل (17) آیات 4-8 میں کیا گیا ہے۔ اس کے بعد خدا نے ان کے حال پر مہربانی کی۔ ایرانی حکمران سائرس نے انہیں بابل کی غلامی سے نجات دلائی اور واپس فلسطین آنے کی اجازت دی۔ ہیکل کی دوبارہ تعمیر ہوئی اور حضرت عزیر کی رہنمائی میں بنی اسرائیل کے دین کی ایک دفعہ پھر تجدید کی گئی۔ ان کی تجدید کی مساعی اس قدر موثر تھی کہ اس واقعہ کے تین صدی بعد بھی جب یونانی حکمرانوں نے بنی اسرائیل پر شرک مسلط کرنا چاہا تو انہوں نے بھرپور مزاحمت کی اور آخر

کار ان کو فلسطین سے باہر نکال دیا۔ انعام کے طور پر خدا نے ان کی سلطنت کو اتنا وسیع کر دیا کہ اس کا علاقہ حضرت سلیمان کے دورِ اقتدار سے بھی بڑھ گیا۔ تاہم ایک صدی کے اندر یہ اخلاقی روح فنا ہوتی چلی گئی۔ جس کے نتیجے میں خدا نے رومیوں کو ان پر مسلط کر دیا اور رومی فاتح پومپی نے 63 ق م میں یروشلم پر قبضہ کر کے ان کے اقتدار کا خاتمہ کر دیا اور بالواسطہ رومی حکومت قائم کر دی۔ اس عرصہ میں بنی اسرائیل کا زوال اپنی انتہا کو پہنچ رہا تھا جس کا اظہار اینٹی پاس نامی یہودی حکمران کے دربار میں ایک رقاصہ کی فرمائش پر سیدنا یحییٰ کے قتل سے ہوا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بحیثیت امت آخری مہلت کے طور پر بنی اسرائیل میں حضرت عیسیٰ جیسے جلیل القدر رسول کو مبعوث فرمایا۔ انہوں نے آخری درجہ میں بنی اسرائیل کو تنبیہ کی، مگر حبِ دنیا اور ظاہر پرستی کے پھندوں میں گرفتار بنی اسرائیل نہ صرف یہ موقع گنوا بیٹھے، بلکہ ایک قدم آگے بڑھ کر انہوں نے آپ کے قتل کی سازش کر ڈالی۔ اللہ تعالیٰ نے اس آفتاب رسالت کو اٹھالیا اور اس جرم عظیم کی پاداش میں بنی اسرائیل کو منصب امامت سے معزول کر کے ایک زبردست سزا دینے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ اس واقعہ کے تھوڑے عرصے بعد یہودیوں نے رومیوں کے خلاف بغاوت کی جسے فرو کرنے کے لیے رومی جرنیل ٹائٹس نے یروشلم پر حملہ کر کے پوری آبادی کو تہس نہس کر ڈالا۔

اور یہودیوں کو اس طرح فلسطین سے نکالا کہ وہ دو ہزار سال تک یہاں واپس نہ لوٹ سکے۔

بنی اسرائیل کی تقریباً ڈیڑھ ہزار سالہ تاریخ کا یہ ایک انتہائی مختصر بیان ہے جو نہ صرف اس بات پر گواہ ہے کہ کس طرح وہ دنیا میں امامت کے منصب پر فائز رہے، بلکہ تاریخ کے اس آئینے میں یہ بات بھی صاف نظر آتی ہے کہ ان کے عروج و زوال کا تمام تر انحصار صرف اس بات پر تھا کہ وہ کس حد تک خدا کے ساتھ کیے گئے اپنے عہد کو پورا کرتے ہیں۔

بنی اسماعیل: بحیثیت امت

بنی اسرائیل کی طرح بنی اسماعیل کا آغاز بھی ہدایت ربانی کی روشنی میں ہوا تھا۔ ان کے جد امجد یعنی حضرت ابراہیم

اور حضرت اسماعیل، دونوں جلیل القدر نبی تھے۔ ان کا ایک اضافی اعزاز یہ تھا کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر بیت اللہ کے پاس بسایا تھا۔ تاہم بنی اسرائیل کے برعکس ان کے درمیان نبی نہیں بھیجے گئے اور انہیں فطرت کے ماحول میں تقریباً دو ہزار برس تک پروان چڑھا کر ایک قوم بنا دیا گیا۔ ان کی حیثیت آج کی زبان میں بیک اپ (Back up) کی سی تھی۔ یعنی جب بنی اسرائیل اپنے منصب کو ادا کرنے میں مکمل طور پر ناکام ہو جائیں تو انہیں معزول کر کے امامت عالم کا منصب بنی اسماعیل کی طرف منتقل کر دیا جائے۔ جس طرح حضرت موسیٰ کو بنی اسرائیل میں مبعوث کر کے اللہ تعالیٰ نے ان سے عہد لیا تھا اسی طرح بنی اسماعیل میں اللہ تعالیٰ نے اپنا آخری رسول اور نبی مبعوث کیا تاکہ اب یہ عہد ان سے باندھا جا سکے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حیثیت کہ وہ حضرت موسیٰ کی مانند ہیں، بائبل اور قرآن دونوں میں بیان ہوئی ہے (استثنا 18:15-18، المزمل 73:15)

چنانچہ رفع مسیح کے تقریباً چھ صدیوں بعد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بنی اسماعیل کی طرف مبعوث کیا گیا۔ آپ نے عرب کی قیادت یعنی قریش کے سامنے دین حق کی دعوت رکھی۔ قریش کی قیادت نے آپ کی دعوت رد کر دی۔ آپ چونکہ ایک رسول بھی تھے، اس لیے آپ کے مخالفین پر اس قانون کا اطلاق ہو گیا جو ہم نے رسولوں کے ضمن میں اوپر بیان کیا ہے۔ یعنی اتمام حجت کے بعد آپ کے مخالفین کو موت کی سزا سنا دی گئی۔ جنگ بدر میں قریش کی قیادت کو چن چن کر ختم کر دیا گیا۔ اس کے بعد سات برس کی مختصر مدت میں پورے عرب پر آپ کا اقتدار قائم ہو گیا۔ تمام بنی اسماعیل آپ پر ایمان لے آئے۔ اسی دوران میں ان سے شریعت کا وہ عہد و پیمان لیا گیا جو ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے آخری درجہ میں اس عہد کو پورا کیا جس کے نتیجے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور تک پوری متمدن دنیا کا اقتدار انہیں سونپ دیا گیا۔ یہی وہ دور ہے جس میں بنی اسماعیل نے اپنی فتوحات کے ذریعے سے مشرکانہ اقتدار کو بالجبر مٹا ڈالا اور انسانیت کے سامنے ایک حقیقی توحید پرستانہ معاشرہ کا نقشہ قائم کر دیا۔

بنی اسماعیل کی تاریخ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اگلے ہزار سال اس نشیب و فراز کی داستان ہیں جو بنی اسماعیل کی تاریخ میں آتے رہے۔ جب انہوں نے اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں کوتاہی کی تو انہیں سخت سزا دی گئی اور جب خدا کی فرمانبرداری کی روش اختیار کی تو خدا کی رحمت فوراً ان کی طرف متوجہ ہوئی۔ انہیں عزت اقوامِ عالم پر غلبہ و اقتدار کی شکل میں دی گئی اور عذاب باہمی جنگوں اور بیرونی حملہ آوروں کی شکل میں دیا گیا۔

اوپر ہم بیان کر چکے ہیں کہ سیدنا ابراہیم کو جو مقام و مرتبہ ملا وہ آزمائش سے گزر کر ملا اور یہی آزمائش کا سلسلہ ان کی اولاد میں رکھ دیا گیا۔ بنی اسماعیل کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ ابتدائی نسلوں میں توحید و شریعت سے وابستگی کے معاملے میں ان سے کوتاہی نہیں ہوئی، البتہ اقتدار کا معاملہ ان کے لیے زبردست آزمائش بن گیا۔ بظاہر محسوس ہوتا ہے کہ خدا کی حکمت کا تقاضہ بھی یہی تھا اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جانشین کی صراحت کیے بغیر دنیا سے رخصت ہوئے۔ پہلی دفعہ جب یہ آزمائش سقیفہ بنی ساعدہ میں سامنے آئی تو صحابۂ کرام کی اکثریت ہونے کی بنا پر بنی اسماعیل بڑی کامیابی سے اس آزمائش میں سرخرو ہوگئے۔ اس کا نتیجہ خدا کی غیر معمولی نصرت کی شکل میں نکلا اور پوری متمدن دنیا پر بنی اسماعیل کا اقتدار قائم ہوگیا۔ تاہم اس کے بعد صحابۂ کرام کی تعداد کم ہوتی چلی گئی۔ اور پھر جو ہوا وہ تاریخ کی ایک معلوم داستان ہے۔ اس کا نتیجہ بھی ایک معلوم حقیقت ہے۔ جب کبھی اس معاملے میں بنی اسماعیل نے درست رویہ اختیار کیا تو وہ آندھی طوفان کی طرح دنیا پر چھاتے چلے گئے اور جب کبھی انحراف کیا تو نہ صرف ان کی بیرونی یلغار رکی، بلکہ ایک دوسرے کی تلواروں کا ذائقہ بھی انہیں چکھنا پڑا۔ اختصار کے پیشِ نظر ہم اس سلسلے کے نشیب و فراز کی طرف اشارہ کرنے پر ہی اکتفا کریں گے۔ ان کی تفصیل بالعموم لوگوں کو معلوم ہے۔ شہادتِ عثمان اور خلافتِ راشدہ کے آخری ایام میں باہمی جنگ و جدل کا نشیب، سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی عظیم قربانی کے بعد بنی اسماعیل کا عروج، یزید کی جانشینی کے بعد پھر خلفشار، عبد الملک کے بعد کا استحکام اور عمر بن عبد

العزیز کے دور میں خلافتِ راشدہ کا احیا، یہ سب اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔

حضرت عمر بن عبد العزیز کو محض ڈھائی سال کے اندر زہر دے کر اقتدار سے ہٹا دیا گیا۔ یہ بنی امیہ کا ایسا جرم تھا جس کے جواب میں خداوند بنی اسماعیل کے خدا نے ان پر عذاب کا کوڑا برسا دیا۔ آپ کے بعد بنو امیہ انتہائی مردم خیز ہونے کے باوجود کوئی بڑی فتح حاصل نہ کر سکے۔ پھر تھوڑے ہی عرصہ میں جس طرح بنو امیہ کو بنو عباس نے ان کے عین عروج میں اقتدار سے ہٹایا ہے، وہ تاریخ کا انتہائی غیر معمولی واقعہ ہے۔ ہم سیاسی قیادت کے ضمن میں اس کی کچھ تفصیل پیچھے بیان کر چکے ہیں۔ بنو امیہ کے ایک ایک فرد کو چن چن کر ہلاک کر دیا گیا سوائے ایک اموی شہزادہ عبد الرحمن کے جس کے ذریعے سے خدا نے بنو امیہ کو ایک موقع پھر عنایت کیا کہ وہ بنو اسماعیل کے سلسلۂ اقتدار کو مغرب میں پھیلائیں۔

دوسری صدی ہجری کے آغاز میں صورت حال یہ ہو چکی تھی کہ بنی اسماعیل کی ایک شاخ بنو امیہ اندلس میں حکمران تھی اور بقیہ عالم اسلام میں ان کی دوسری شاخ بنو عباس کا سکہ چل رہا تھا۔ہارون الرشید کے دور تک بنو عباس کے اقتدار کا سورج نصف النہار کو چھو رہا تھا اور قیصر روم کی حیثیت خلیفہ کے باج گزار کی تھی۔ دوسری طرف بنو امیہ کے عبد الرحمن کے دور تک جنوبی یورپ کی تمام عیسائی ریاستیں اپنے وجود کے لیے بنو امیہ کے نظر کرم کی محتاج تھیں۔ تاہم حدیث کے الفاظ میں جسے خیر القرون کہا گیا تھا، وہ دور اب ختم ہونے لگا تھا۔ شریعت کی پاس داری اب ماضی کا قصہ بننے لگی اور توحید کے فروغ کے بجائے، یونانی افکار کے زیر اثر، لایعنی مباحث اسلامی معاشرے کا موضوع سخن بن گئے۔ اسی دور میں خلقِ قرآن کا فتنہ پیدا ہوا۔ مامون اور معتصم کے دور میں امام احمد بن حنبل کو بے پناہ سختیاں جھیلنا پڑیں۔ رفتہ رفتہ صورت حال مزید خراب ہوئی۔ شریعت کی حقیقی پاس داری کی جگہ ظاہر پرستی اور توحید و آخرت کی جگہ دنیا پرستی نے لے لی۔ ان سب باتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ دنیا سے ان کا رعب و وقار رخصت ہونا شروع ہو گیا۔ خلافت کی توسیع تو دور کی بات ہے خود بنو عباس دوسروں کی بیساکھیوں کے سہارے حکومت کرنے پر

مجبور ہو گئے۔ انہیں آخری سزا دینے سے قبل دو دفعہ تنبیہ کی گئی۔ پہلے مغربی صلیبی حملہ آوروں کے ذریعے شام و فلسطین کی تباہی کے ذریعے سے اور پھر مشرق سے تاتاریوں کے ہاتھوں خوارزم شاہ کی حکومت کی تباہی سے۔ انہوں نے دونوں کو نظر انداز کر دیا۔ آخر کار جب ان کے رویے میں اصلاح کا کوئی عنصر باقی نہ رہا تو خدائی عذاب ہلاکو خان کی شکل میں ان کی طرف متوجہ ہوا۔ بغداد میں آخری خلیفہ مستعصم کے ساتھ جو معاملہ ہوا، وہ خدا کی بے لاگ سنت کا اظہار تھا۔

دوسری طرف بنی اسماعیل کی دوسری شاخ بنو امیہ نے بھی جب یہی رویہ اختیار کیا تو عیسائیوں کے ذریعے سے ان پر ویسا ہی عذابِ استیصال آیا اور اندلس سے ان کا نام و نشان تک مٹا دیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی آل ابراہیم کے بارے میں خدا کا قانون فیصلہ کن طور پر نافذ ہوا۔

ذریت ابراہیم اور دوسرے لوگ

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد کے دونوں گروہوں یعنی بنی اسرائیل اور بنی اسماعیل کے بارے میں جو قانون ہم مختلف حوالوں سے بیان کر رہے ہیں، اس کے بارے میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو دوسرے لوگ پہلے یہودیت اور اب اسلام قبول کر کے ان کے ساتھ ہوتے گئے ہیں، کیا وہ بھی اس قانون کی زد میں آتے ہیں؟

اس حوالے سے تاریخ کا جواب یہ ہے کہ بالکل ایسا ہی ہے۔ یہود کی کتابوں میں پردیسیوں یا ملی جلی بھیڑ کے نام سے کئی مقامات پر جن لوگوں کا ذکر ہے یہ وہی لوگ تھے جو نسلی طور پر حضرت ابراہیم کی اولاد میں سے نہ تھے بلکہ دیگر اقوام سے شرک چھوڑ کر یہودیوں کے ساتھ آملے تھے۔ چنانچہ تاریخ میں جو کچھ یہود کے ساتھ ہوا، وہی ان کے ساتھ بھی ہوتا رہا۔ یہی ان عجمیوں کے ساتھ ہوا جو اسلام لاکر عربوں کی سپر پاور ریاستوں کے ماتحت رہتے تھے۔

عربوں کے زوال کے ساتھ ایک دوسری چیز بھی نمایاں ہو کر سامنے آتی ہے۔ وہ یہ کہ کوئی مسلم گروہ اگر اسلام ہی کو اپنی شناخت بنالے اور خود کو دنیا کے سامنے اسی حیثیت میں پیش کرے تو اس کو امت اور انسانیت کی امامت بھی دے دی جاتی ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ عربوں کے بعد ترک ایک بڑی قوم کے طور پر ابھرے۔ تاہم ترک سلطان سلیم نے جیسے ہی اپنا منصب خلیفۃ المسلمین قرار دیا، ترک ایک علاقائی طاقت سے عالمی طاقت اور سپر پاور بن گئے اور سلطان عالیشان کے دور میں دنیا کے بحر و بر پر ان کا سکہ چلنے لگا۔

تاہم جب ان کا اخلاقی رویہ غیر ذمہ دارانہ ہو گیا تو اِسی تیزی سے ان کو زوال آنا شروع ہوا اور ان کے نام سے لرزنے والی یورپی قوتیں ان پر چڑھ دوڑیں اور ان کو مغلوب کر دیا۔

ابو یحییٰ

قرآن مجید اور بنی اسرائیل کی دو عظیم بربادیاں

قرآن مجید کی سورہ بنی اسرائیل کی وجہ شہرت عام طور پر یہ ہے کہ اس میں واقعہ اسراء پر گفتگو کی گئی ہے۔ بلاشبہ یہ اس سورت میں بیان کیا گیا بہت اہم واقعہ ہے۔ تاہم خود یہ واقعہ اسراء اپنی ذات میں ایک پس منظر رکھتا ہے۔ وہ پس منظر نظم قرآن مجید کی روشنی میں یہ ہے کہ اس سورت میں اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کے دو گمراہ ہو جانے والے گروہوں کو ان کے منصب سے برطرف کر کے ایک نئی امت کو دنیا کی رہنمائی کے منصب پر فائز کر رہے ہیں۔

ان میں سے ایک گروہ بنی اسماعیل کے مشرکین تھے، جن کے کفر و شرک کی پاداش میں ان کو کعبہ کی تولیت سے فارغ کیا جانا تھا۔ دوسرے یہود تھے جو اس سے پہلے ہی حضرت عیسیٰ کا کفر کر کے معتوب ہو چکے تھے۔ چنانچہ سورت کی ابتدا میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک ان دو ملتوں کے حوالے سے اللہ کی نشانیوں کا مشاہدہ کرانے کے کا ذکر ہے۔ پھر ان کے جرائم کا بیان ہے اور پھر اس سورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہجرت مدینہ کا فیصلہ اتارا گیا۔ ساتھ میں اس سورت میں وہ ساری اخلاقی تعلیمات اور ایمان واخلاق کی وہ اصل دعوت بھی بیان کر دی گئی جسے ماننے کی بنیاد پر دنیا کا غلبہ اور اقتدار آپ اور آپ کے اصحاب کے قدموں میں ڈھیر کر دیا گیا۔ ساتھ میں یہ فیصلہ کن خبر بھی دے دی گئی کہ آپ کی ہجرت کے بعد کفار مکہ کو اس سرزمین سے نکال دیا جائے گا۔

یہود کو آخری موقع

یہ مکی دور کے بالکل آخری زمانے میں نازل ہوئی اور اس کے بعد ہجرت مدینہ کا واقعہ پیش آیا۔ مدینہ میں چونکہ براہ راست یہود سے سابقہ پیش آنا تھا اس لیے ان کو بھی اس سورت کے آغاز میں متنبہ کر دیا گیا کہ تمہاری جرائم کی بنیاد پر تمہیں منصب امامت سے معزول کیا جا چکا ہے۔ البتہ ایک آخری موقع اس رحمت للعالمین نبی کی صورت میں دیا جا رہا ہے۔ اس کا ساتھ دو گے تو ایک دفعہ پھر کھوئی ہوئی عزت حاصل کر لو گے ورنہ اگر تم اپنی حرکتیں دہراؤ گے تو ہم بھی اپنی سزا دہرا دیں گے۔

چنانچہ بات کہنے کے لیے یہود کو ان کی تاریخ کے دو اہم ترین واقعات یاد دلائے جا رہے ہیں۔ جن میں انہوں نے زمین پر بہت فساد مچا دیا تھا۔ چنانچہ ان پر عذاب الٰہی کا کوڑا برس پڑا۔ ان کو انتہائی زبردست سزا دی گئی۔ یہ آیات مبارکہ درج ذیل ہیں۔

”اور ہم نے بنی اسرائیل کو اپنے اس فیصلہ سے کتاب میں آگاہ کر دیا تھا کہ تم دو مرتبہ زمین میں فساد مچاؤ گے اور بہت سر اٹھاؤ گے۔ پس جب ان میں سے پہلی بار کی میعاد آجاتی ہے تو ہم تم پر اپنے زور آور بندے مسلط کر دیتے ہیں تو وہ گھروں میں گھس پڑے اور شدنی وعدہ پورا ہو کے رہا۔ پھر ہم نے تمہاری باری ان پر لوٹائی اور تمہاری مال اور اولاد سے مدد کی اور تمہیں ایک کثیر التعداد جماعت بنا دیا۔ اگر تم بھلے کام کرو گے تو اپنے لیے کرو گے اور اگر برے کام کرو گے تو بھی اپنے ہی لیے۔ پھر جب پچھلی بار کی میعاد آجاتی ہے تو ہم تم پر اپنے زور آور بندے مسلط کر دیتے ہیں کہ وہ تمہارے چہرے بگاڑ دیں اور تاکہ وہ مسجد میں گھس پڑیں جس طرح پہلی بار گھس پڑے تھے اور تاکہ جس چیز پر ان کا زور چلے اسے تہس نہس کر ڈالیں۔ کیا عجب کہ تمہارا رب تم پر رحم فرمائے اور اگر تم پھر وہی کرو گے تو ہم بھی وہی کریں گے اور ہم نے جہنم کو تو کافروں کے لیے باڑا بنا ہی رکھا ہے۔“ (سورہ بنی اسرائیل 17:4-8)

دو واقعات کون سے تھے؟

ابتدائی مفسرین میں اس ضمن میں کچھ اختلاف تھے کہ یہود کی تاریخ کے یہ دو اہم واقعات کون سے ہیں۔ کوئی ایک آدھ شاذ رائے یہ بھی تھی کہ ان میں سے ایک یا دونوں واقعات مستقبل کی پیش گوئیاں ہیں۔ تاہم یہ یہود کی تاریخ کے واقعات ہیں، اس لیے جو مفسرین براہ راست یہود کی کتب مقدسہ تک رسائی رکھتے ہیں، ان کو اس معاملے میں معمولی سا شک بھی نہیں ہے کہ ان دو واقعات سے مراد عراق کے بادشاہ بخت نصر اور رومی جرنیل ٹائٹس کے ہاتھوں آنے والی تباہی ہے۔ اس کا سب سے واضح قرینہ یہ ہے کہ آیت 7 میں واضح طور پر یہ بتایا گیا ہے کہ جب دوسرے موقع پر خدا کا یہ قہر بھڑکا تو یہود کے دشمن مسجد اقصی یا بیت المقدس میں ایسے ہی داخل ہو گئے جیسے پہلے داخل ہوئے اور ہر چیز کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔

انبیائے بنی اسرائیل پر نازل ہونے والی الہامی کتابوں اور یہود کی تاریخ سے واقف ہر شخص جانتا ہے کہ ایسا صرف دو ہی دفعہ ہوا ہے جب بیت المقدس کو تباہ کر دیا گیا۔ یہ صرف بخت نصر اور ٹائٹس کے ہاتھوں ہی ہوا ہے۔ چنانچہ اس میں کوئی شک ہی نہیں کہ یہاں مراد ماضی کے یہی دو واقعات ہیں اور ان کو سنا کر آیت 8 میں یہود سے یہ کہا جا رہا ہے کہ اب تمہارا رب ایک دفعہ پھر تمہیں اس عظیم نبی کے ذریعے سے موقع دینا چاہ رہا ہے، لیکن تم اپنی سابقہ روش کو دہراؤ گے تو ہم بھی اپنی سزا کو دہرا دیں گے۔ چنانچہ قرآن مجید کی یہ پیش گوئی حرف با حرف پوری ہوئی۔ یہود نے نبی آخر الزماں کا انکار کر کے اس عظیم موقع کو بھی ضایع کر دیا۔ جس کے بعد سرزمین عرب کے یہود پر مغلوبیت، قتل عام اور جلاوطنی کی سزا نافذ کر دی گئی۔ یہ بلاشبہ قرآن مجید کی صداقت کا ایک زندہ ثبوت ہے۔

اصل سبق

بنی اسرائیل کی تاریخ کے ان اہم ترین واقعات کی اپنی بہت سی تفصیل ہے۔ اس دور میں دو بڑے جلیل القدر اہل علم یعنی مولانا سیوہاروی نے اپنی کتاب ”قصص القرآن“ اور مولانا مودودی نے اپنے تفسیر ”تفہیم القرآن“ میں بہت تفصیل کے ساتھ ان واقعات کے تاریخی پس منظر، ان کے انبیا کی کتابوں سے ان کو کی جانے والی تنبیہات، پہلے زوال کے بعد دوسرے عروج کی تفصیل اور پھر دوسرے زوال اور پھر آنے والی تباہی کی انتہائی مکمل اور بہترین تصویر کشی کی ہے۔ جن لوگوں کو دلچسپی ہے وہ ان دونوں مراجع کو دیکھ سکتے ہیں۔

ہمارے پیش نظر تاریخ بیان کرنے سے زیادہ اصل سبق کو نمایاں کرنا مقصود ہے۔ ہمارے نزدیک یہ دو بنیادی اسباق ہیں جو ان واقعات میں موجود ہیں۔ پہلا یہ کہ اگر آپ تاریخ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہو گا کہ ان دونوں مواقع پر بنی اسرائیل پر ایک مکمل تباہی نازل ہوئی۔ لاکھوں یہودی قتل کر دیے گئے۔ لاکھوں کو غلامی اور جلاوطنی کا داغ سہنا پڑا۔ ان گنت عورتوں کی عصمت دری ہوئی، معصوم بچے مارے گئے۔ جوان اور خوبصورت لڑکیاں فاتحین میں تقسیم کر دی گئیں۔ ان کی عبادت گاہ جو ان کے لیے وہی حیثیت رکھتی ہے جو ہمارے لیے حرم پاک کی ہے، تباہ و برباد کر دی گئی۔

موجودہ دور کے تناظر میں دیکھیے تو ان سارے واقعات میں یہود کے ساتھ عراق کے بادشاہ اور رومی سلطنت نے جو کچھ کیا اس کے لیے ظلم، بربریت، زیادتی اور ان جیسے تمام الفاظ بہت کم محسوس ہوتے ہیں۔ مگر حیرت انگیز طور پر اللہ تعالیٰ نے ان بت پرست عراقیوں اور رومیوں کی مذمت میں ایک لفظ تک کہنا مناسب نہیں سمجھا۔ نہ پروردگار عالم نے یہود کی کوئی دلجوئی یا تالیف قلب کرنے کی کوئی معمولی سی کوشش کی۔ بلکہ اسے یہود کی سرکشی اور فساد کا نتیجہ اور اس کی سزا قرار دیا۔ اس سے بڑھ کر انھوں نے عراقیوں اور رومیوں کو اپنا بندہ قرار دے دیا۔ یہ بندے

یعنی عراقی اور رومی دونوں بت پرست تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ صالح بندوں کے معنی میں تو یہاں اللہ کے بندے نہیں قرار پا رہے۔ دراصل ان معنوں میں اللہ کے بندے قرار پائے کہ اس نے ان کو اپنے آلہ عذاب کے طور پر استعمال کیا تھا۔ مگر یہاں ان کے لیے عباد یا بندے کا لفظ بول کر یہود کے منہ پر ایک بھرپور تھپڑ مارا گیا ہے کہ تم اتنے پست ہو چکے تھے کہ تمہارے مقابلے میں میں نے ان بت پرستوں کو اپنا بندہ کہنا گوارا کر لیا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ یہود کو جس منصب پر فائز کیا گیا تھا وہ بہت اعلیٰ تھا۔ یعنی وہ ایک امت بنائے گئے تھے جن کے ذریعے سے دنیا کو اللہ کا دین معلوم ہوتا تھا۔ گویا وہ اس دور کی امت مسلمہ تھے۔ مگر جب وہ اپنے منصب کو بھول گئے تو ان پر قہر الٰہی بھڑک اٹھا۔ ہاں جب انہوں نے توبہ کی تو اللہ کی رحمت دوبارہ ان کے حال پر متوجہ ہو گئی۔ اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ یہ منصب ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ جس کو پورا کرنے کے نتیجے میں اللہ کی رحمت اسی دنیا میں ملتی ہے اور پورا نہ کرنے کے نتیجے میں اس کا قہر اسی دنیا میں جھیلنا پڑتا ہے۔ قرآن مجید کے دوسرے مقامات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ایسے اجتماعی عذاب کے مواقع پر گھن کے ساتھ گیہوں بھی پس جاتا ہے۔

دوسرا سبق

دوسرا سبق قرآن کے اس مقام سے تو استنباط کر کے ہی نکالا جا سکتا ہے، مگر تاریخ حیرت انگیز طور پر اس کی اس طرح تائید کرتی ہے کہ یہ ماننے کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں کہ دوسرا سبق بھی ایک حقیقت ہی کا بیان ہے۔ وہ سبق وہی ہے جس کی طرف ہم نے اوپر پس منظر بیان کرتے ہوئے اشارہ کیا تھا کہ بنی اسرائیل کو معزول کرنے کے بعد یہ منصب اگر عربوں اور تبعاً باقی مسلمانوں کو دیا جا رہا ہے تو پھر اب ان کے ساتھ بھی یہی کچھ ہو گا جو یہود کے ساتھ ہوا تھا۔ یعنی ان کے جرائم کی سزا اسی دنیا میں ملے گی اور توبہ اور رجوع پر ان کو عروج مل جائے گا۔

تاریخ حیرت انگیز طور پر اس کی تائید کرتی ہے۔ یہود کی طرح مسلمانوں کی تاریخ میں بھی دو عظیم تباہیاں اور مغلوبیت آئی ہے۔ پہلی عظیم تباہی تاتاریوں کے ہاتھوں آئی جب کم و بیش پورا عالم اسلام تاتاریوں نے زیر وزبر کرڈالا۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کی خلافت کے مرکز بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی۔ تاہم اس عظیم تباہی کے بعد جس طرح بنی اسرائیل کو دوبارہ غلبہ ااور اقتدار ملا تھا، مسلمانوں کو بھی زبردست عروج ملا۔ یہ اس وقت ہوا جب مسلمانوں نے اپنی دعوتی ذمہ داریوں کو پوری طرح نبھایااور ان کی دعوتی جدوجہد کے نتیجے میں ان کو فتح کرنے والے تاتاری ہی کچھ عرصے میں مسلمان ہوگئے۔ پھر ان کی آل واولاد نے مسلمانوں میں عظیم سلطنتیں قائم کیں۔ جن میں سب سے بڑی ترکی کی خلافت تھی جو دنیا کے مرکز میں تین براعظموں یعنی ایشیا، افریقہ اور یورپ کی بلاشرکت غیرے حکمران تھی۔

تاہم مسلمان ایک دفعہ پھر اخلاقی زوال کا شکار ہوئے اور اس فعہ یورپی طاقتوں کے ہاتھوں مسلمانوں پر مغلوبیت کا عذاب مسلط ہوا۔ خلافت عثمانیہ کے علاوہ ایران کی صفوی اور ہندوستان کی عظیم مغل ایمپائر بھی یورپی طاقتوں کے ہاتھوں مغلوب ہوگئی۔ کم وبیش پوراعالم اسلام مغربی طاقتوں کا غلام بن گیا۔ بدقسمتی سے مغلوبیت کی یہ سیاہ رات آج کے دن تک جاری ہے۔

آج کی مسلمان لیڈرشپ اس مغلوبیت کو مغربی طاقتوں کی سازش قرار دیتی ہے۔ تاہم قرآن مجید اورانبیائے بنی اسرائیل کے صحیفوں کی روشنی میں دیکھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی سازش نہیں اللہ تعالیٰ کی نافذ کی ہوئی وہ سزا ہے جو ہم پر ہمارے اخلاقی فساد کی وجہ سے مسلط ہوئی ہے۔ جب تک ہم توبہ کرکے رجوع نہیں کرتے، دنیا کی کوئی طاقت ہمیں اس مغلوبیت سے نہیں نکال سکتی۔ یہ ہوسکتا ہے کہ ہم پر ظلم کرنے والے بدل جائیں۔ پہلے یورپ اور برطانیہ تھا۔ پھر سوویت یونین مسلط ہوا۔ پھر امریکہ کا نمبر آیا۔ ممکن ہے آئندہ یہ کام اللہ تعالیٰ چینیوں

سے لے لیں۔ لیکن ہماری سزا ختم نہیں ہو گی جب تک ہم سچے دل سے توبہ نہیں کرتے اور ایمان و اخلاق کی وہ دعوت جس کی ایک مثال اسی سورہ بنی اسرائیل کی آیات 22 تا 39 ہے، کو اختیار نہیں کر لیتے۔ ہم جیسے ہی یہ دعوت اپنی زندگی بنائیں گے اور ہمارے علماء سارے دوسرے کام چھوڑ کر اس کو اپنے معاشرے اور دنیا بھر میں عام کرنے کے کام میں لگ جائیں گے، اللہ تعالیٰ دنیا کا اقتدار ہمارے قدموں میں لا ڈالیں گے۔

اس رسالے کا اس سے اچھا اختتام سمجھ میں نہیں آتا کہ سورہ بنی اسرائیل کی ان آیات کا ترجمہ قارئین کے سامنے پیش کر دیا جائے۔ کیونکہ اس دنیا میں ہمارے قومی عروج و زوال اور آخرت میں ہماری نجات کا انحصار ان ہی احکام کو دل و جان سے اپنی زندگی بنانے میں ہے۔

”اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو شریک نہ کر کہ تو سزاوار مذمت اور دھتکارا ہو کر رہ جائے۔ اور تیرے رب کا فیصلہ یہ ہے کہ اس کے سوا کسی اور کی بندگی نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ نہایت اچھا سلوک کرو۔ اگر وہ تیرے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں، ان میں سے ایک یا دونوں، تو ان کو اف کہو نہ ان کو جھڑکو اور ان سے شریفانہ بات کہو اور ان کے لیے رحمدلانہ اطاعت کے بازو جھکائے رکھو اور دعا کرتے رہو کہ اے میرے رب ان پر رحم فرما، جیسا کہ انہوں نے بچپن میں مجھے پالا۔ تمہارا رب جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اس سے خوب واقف ہے۔ اگر تم سعادت مند رہو گے تو وہ رجوع کرنے والوں کو بڑا بخشنے والا ہے۔

اور تم قرابت دار کو اس کا حق دو اور مسکین اور مسافر کو بھی اور مال کو اللے تللے نہ اڑاؤ۔ اللے تللے اڑا دینے والے شیطانوں کے بھائی ہوتے ہیں اور شیطان اپنے رب کا بڑا ہی ناشکرا ہے۔ اور اگر تمہیں اپنے رب کے فضل کے انتظار میں، جس کے تم متوقع ہو، ان سے اعراض کرنا پڑ جائے تو تم ان سے نرمی کی بات کہہ دو۔ اور نہ تو اپنے ہاتھ کو اپنی گردن سے باندھے رکھو اور نہ اس کو بالکل کھلا ہی چھوڑ دو کہ ملامت زدہ اور درماندہ ہو کر بیٹھ رہو۔ بے شک تمہارا

رب ہی ہے جو رزق کو جس کے لیے چاہتا ہے کشادہ کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے، بے شک وہی اپنے بندوں کی خبر رکھنے والا اور ان کو دیکھنے والا ہے۔

اور تم اپنی اولاد کو ناداری کے اندیشہ سے قتل نہ کرو، ہم ہی ان کو بھی رزق دیتے ہیں اور تم کو بھی، بے شک ان کا قتل بہت بڑا جرم ہے۔ اور زنا کے پاس بھی نہ پھٹکو۔ کیونکہ یہ کھلی ہوئی بے حیائی اور نہایت بری راہ ہے۔ اور جس جان کو خدا نے محترم ٹھہرایا اس کو قتل مت کرو مگر حق پر اور جو ظلماً قتل کیا گیا تو ہم نے اس کے ولی کو اختیار دیا تو وہ قتل میں حدود سے تجاوز نہ کرے کیونکہ اس کی مدد کی گئی ہے۔ اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ پھٹکو مگر اس طریقہ سے جو اس کے حق میں بہتر ہے، یہاں تک کہ وہ اپنے سن پختگی کو پہنچ جائے۔ اور عہد کو پورا کرو کیونکہ عہد کی پرسش ہونی ہے اور جب تم ناپو تو ناپ پوری رکھو اور وزن صحیح ترازو سے کرو۔ یہی بہتر اور مآلِ کار کے اعتبار سے خوب تر ہے۔ اور جس چیز کا تمہیں علم نہیں اس کے درپے نہ ہوا کرو۔ کیونکہ کان، آنکھیں اور دل، ان میں سے ہر ایک چیز کی پرسش ہونی ہے۔ اور زمین میں اکڑ کر نہ چلو، نہ تم زمین کو پھاڑ سکتے ہو اور نہ پہاڑوں کے طول کو پہنچ سکتے ہو۔ ان ساری باتوں کی برائی تمہارے رب کے نزدیک نہایت ناپسندیدہ ہے۔

یہ ان باتوں میں سے ہیں جو تمہارے رب نے حکمت میں سے تمہاری طرف وحی کی ہیں اور خدا کے ساتھ کسی اور معبود کو شریک نہ کرو کہ تم ملامت زدہ اور راندہ ہو کر جہنم میں جھونک دیے جاؤ۔"

(سورہ بنی اسرائیل 17:22-39)